Karnataka State Open University

Manasagangothri, MYSORE

LANGUAGE URDU - I BA/B.COM.

POETRY, PROSE, NOVEL AND GRAMMAR

(SLM)

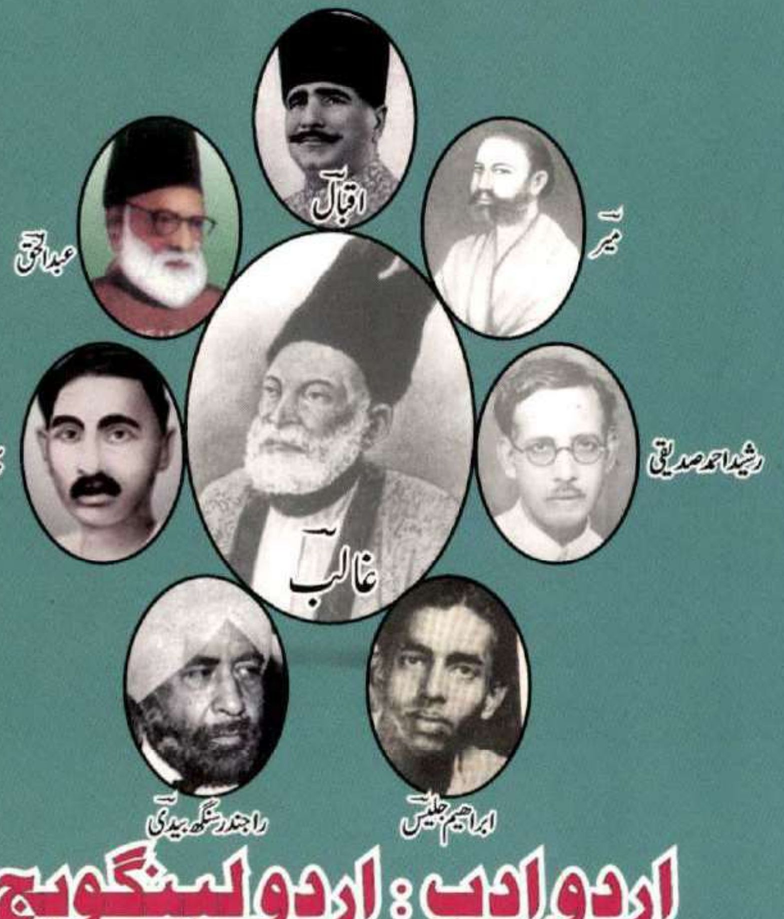

اردو ادب : اردو لینگویج

بی اے /بی کام، تین سالہ ڈگری کورس

سال اوّل - بی اے /بی کام- پرچہ اوّل

نظم، نثر، ناول اور قواعد

Paper 1

Block 1 to 4

KSOU NATIONAL INTERNATIONAL RECOGNITION

Karnataka State Open University (KSOU) was established on 1st June 1996 with the assent of H.E. Governor of Karnataka as a full fledged University in the Academic year 1996 vide Government notification No./EDI/UOV/dated 12th February 1996 (Karnataka State Open University Act – 1992). The Act was promulgated with the object to incorporate an Open University at the State Level for the introduction and promotion of Open University and Distance Education Systems in the education pattern of the State and the Country for the Co-ordination and determination of standard of such systems.

- With the virtue of KSOU Act of 1992, Karnataka State Open University is empowered to establish, maintain or recognize Institutions, Colleges, Regional Centres and Study Centres at such places in Karnataka and also open outside Karnataka at such places as it deems fit.
- All Academic Programmes offered by Karnataka State Open University are recognized by the Distance Education Council (DEC), Ministry of Human Resource Development (MHRD), New Delhi.
- Karnataka State Open University is a regular member of the Association of Indian Universities (AIU), New Delhi, since 1999.
- Karnataka State Open University is a permanent member of Association of Commonwealth Universities (ACU), London, United Kingdom since 1999. Its member code number: ZKASOPENUINI.
- Karnataka State Open University is a permanent member of Asian Association of Open Universities (AAOU), Beijing, CHINA, since 1999.
- Karnataka State Open University has association with Commonwealth of Learning (COL), Vancouver, CANADA, since 2003. COL is an intergovernmental organization created by commonwealth Heads of Government to encourage the development and sharing of open learning distance education knowledge, resources and technologies.

Higher Education To Everyone Everywhere

Karnataka State Open University

Manasagangothri, Mysore

Language Urdu - I BA / B.Com.,

Paper 1 - Course 1

Poetry, Prose, Novel & Grammar

Block - 1 Unit 4-8

اکائیاں:4-1 باب:1

اردو ادب : اردو لینگویج

بی اے /بی کام، تین سالہ ڈگری کورس

سالِ اوّل - بی اے /بی کام۔ پرچہ اوّل : کورس اوّل

نظم، نثر، ناول اور قواعد

(بلاک:1۔اکائیاں:4-1)

۱۔ شیخ الجامعه

پروفیسر کے ۔یس رنگاپا

۲۔ ڈین اکاڈمك

پروفیسر۔ جگدیشه

۳۔ فیکلٹی ممبرس

۱۔ یم بلقیس بانو؛ صدر شعبہ اردو وکوآرڈینیٹر ، کےایس او یو، میسور

٤۔ ڈاکٹر جهاں آراء بیگم؛ پروفیسر شعبۂ اردو، کےایس او یو۔ میسور

٤۔ اراکین بورڈ :

۱۔ بلقیس بانو۔ یم، چیر پرسن (یو.جی (بی اویس))

۲۔ پروفیسر جهاں آراء بیگم ممبر۔
شعبۂ اردو، کےایس اویو، میسور

۳۔ پروفیسر محمد صبغت الله ممبر۔
موظف پرنسپل گورنمنٹ بوائز کالج، کولار، کے جی یف

٤۔ پروفیسر نصرت جهاں ممبر۔
مہارانیس آرٹس وکامرس کالج ،میسور

٥۔ پروفیسر محمد ثناء الله شریف ممبر۔
گورنمنٹ سرایم وی سائنس کالج ، بھدراوتی، شیموگہ ضلع

٥۔ مصنفه :

ڈاکٹر رفعت النساءِ بیگم، پروفیسر شعبۂ اردو، میسور یونیورسٹی، میسور

٦۔ مدیر :

ڈاکٹر یس مسعود سراج، چیرمین وڈین فیکلٹی آف آرٹس، شعبۂ اردو، یونیورسٹی آف میسور

نصاب کا مقصد

یہ کتاب اردو ادب کی نظم ونثر، ناول اور اردو قواعد پر مشتمل ہے، جو ڈگری کے سال اوّل بی اے /بی کام کے لینگویج کورس کے لئے منظور شدہ نصاب پر مبنی ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ آپ نے اُردو ادب کو اپنا اختیاری مضمون بنایا یہ نصاب آپ کی سہولت کے لئے اوپن یونیورسٹی کے طریقہء کار کو اپناتے ہوئے تیار کیا گیا ہے، جسے سیلف انسٹرکشنل میٹریل یعنی خود تدریسی مواد کہا جاتا ہے۔ صرف نصاب کی حدت تک اُردو ادب کا مطالعہ نہ کریں بلکہ آپ کے یہ نصاب صرف نصاب نہیں ہے اپنی قابلیت کو بڑھانے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ آسان عام فہم انداز میں ہم نے یہاں اُردو زبان اور ادب کے مختلف نقوش پیش کئے ہیں، جیسے حمد، نعت، مناجات، نظم، ہجو، غزل وغیرہ، ان اصناف کی اپنی ایک الگ تاریخ ہے ان کا اپنا اسلوب اور معیار ہے۔ جسے پڑھ کر آپ یقیناً لطف اٹھائیں گے۔

پہلے باب یعنی بلاک (۱) میں جو کہ اُردو نظم کے لئے مختص ہے، اُردو نظم کی مختلف اصناف کا منتخب کلام پیش کیا گیا ہے، حمد، نعت، مناجات، نظمیں، ہجو، غزلیات وغیرہ ساتھ ہی اصناف سخن اور شعراء کا مختصر تعارف بھی دیا گیا ہے، یہ باب 4-1 اکائیوں پر مشتمل ہے۔

طلبہ کی سہولت کے لئے ہر اکائی کے منتخب سوالات بھی دیئے گئے ہیں تا کہ طلبہ اس سے مزید مستفید ہوسکیں۔ ہر اکائی کے مشکل الفاظ کے معنی بھی دیئے گئے ہیں، اور اکائی کے آخر میں سفارش کردہ کتابوں کے نام بھی دیئے گئے ہیں، طلبہ سے خواہش کی جاتی ہے کہ ان کتابوں کو حاصل کر کے پڑھیں اور فائدہ اٹھائیں۔

باب ۔ ۱

یہ باب اردو نظم کے لئے مختص ہے، اس میں 4-1 اکائیاں یعنی کل 4 اکائیوں پر مشتمل ہے۔

اکائی 1: کے تحت وجہی کی حمد، ساغر نظامی کی نعت، امیر مینائی کی مناجات اور نظموں میں ضمیر عاقل شاہی کی دو نظمیں، میں ہندوستانی اور میل کے پتھر شامل ہیں، یہاں ہر صنف کا تعارف اور شاعر کے منتخب کلام کا متن، تشریح نیز شاعر کا مختصر سا تعارف بھی دیا گیا ہے۔

اکائی 2: کے تحت علامہ اقبال کی نظمیں ہمالہ، ترانہ ءہندی، روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے۔ سودا کی لکھی: ہجو شیدی فولاد خاں کوتوال کا متن تشریح، شعراء کا تعارف اصناف کا تعارف اور خصوصیات پیش کی گئی ہیں۔

اکائی 3: کے تحت غزلیات کا حصہ ہے، سراج اورنگ آبادی کی منتخب دو غزلیں، میر تقی میر کی تین غزلیں، مرزا غالب کی تین غزلیں دی گئی ہیں، جن کا متن اور تشریح، ساتھ ہی شعراء اور اصناف کا تعارف بھی دیا گیا ہے۔

اکائی 4: کے تحت بہادر شاہ ظفر کی دو غزلیں اور محمد علی جوہر کی دو غزلیں دی گئی ہیں اس اکائی میں ان شعراء کا تعارف منتخب کلام کی تشریح بھی دی گئی ہے۔

اس باب میں جتنی بھی اکائیاں ہیں ان میں ہر اکائی میں مختلف اصناف شعر جو بھی ہیں انکا جائزہ، شعراء کا تعارف، متن اور تشریح کے علاوہ خلاصہ اور دیگر تفصیلات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، ہر اکائی میں امتحانی سوالات، فرہنگ اور سفارشی کتب کا بھی حوالہ ہے، تاکہ طلبہ کو اکائی کے سمجھنے میں مزید جانکاری ملے، آسانی اور سہولت ہو۔

مشمولات

حصہ نظم : باب 1 اکائیاں (4-1)

اکائی-1 (ا) حمد : وجہی (توں اول توں آخر قادرا ہے۔۔۔)

(۲) نعت : ساغر نظامی (ازل سے جاری وساری ہے چشمہ ہدایت کا)

(۳) مناجات: امیر مینائی (الٰہی عام ہے تیری عنایت۔۔۔)

(۴) نظمیں: ضمیر عاقل شاہی

ا۔ میں ہندوستانی (مرے عزم کوان بہاروں سے پوچھو۔۔۔)

۲۔ میل کے پتھر (لوگ کہتے ہیں کہ مہلت کا ہے اک پل بھی بہت۔۔)

اکائی-2 (1) علامہ اقبالؔ (i) ہمالہ (اے ہمالہ! اے فصیل کشور ہندوستان!)

(۲) ترانہء ہندی (سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا)

(۳) روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے (کھول آنکھ زمین دیکھ فلک دیکھ، فضا دیکھ)

(۴) ہجو: مرزا محمد رفیع سودا: ہجو شیدی فولا دخاں کوتوال:

(کہا ہوا یارو، وہ نسق ہیہات۔۔۔۔)

اکائی-3؛ غزلیات (i) سراج اورنگ آبادی

ا۔ خبر تحیر عشق حسن نہ جنوں رہا نہ پری رہی۔۔۔

۲۔ کوئی ہمارے درد کا محرم نہیں۔

(ii) میر تقی میرؔ (ا) گل کو محبوب میں قیاس کیا۔۔۔۔

(۲) قتل کئے پر غصہ کیا ہے، لاش مرے اٹھوانے دو۔۔۔۔

(۳) فقیرانہ آئے صدا کر چلے۔۔۔۔

(iii) مرزا غالبؔ (ا) آہ کو چاہئے کہ اک عمر اثر ہونے تک۔۔۔۔

(۲) حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں۔۔۔۔

(۳) ابن مریم ہوا کرے کوئی۔

اکائی 4: غزلیات: (i) بہادر شاہ ظفرؔ (ا) لگتا نہیں ہے جی مرا اجڑے دیار میں۔۔۔۔

(۲) روشِ گل میں کہاں یار ہنسانے والے۔۔۔۔

(ii) محمد علی جوہرؔ: (ا) جان تو دے سکتے ہیں زینت نہ ہوں درباروں کی۔

(۲) دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد۔۔۔

اکائی ۔۱۔حمد ، نعت، مناجات، نظمیں

ساخت

1.0 اغراض ومقاصد
1.1 تمہید
1.2 (ا) حمد کی تعریف
1.2.1 ملا وجہی کا تعارف
1.3 حمد (متن)
1.3.1 حمد کی تشریح
1.4 نعت کی تعریف
1.4.1 ساغر نظامی کا تعارف
1.5 (۲) نعت (متن)
1.5.1 نعت کی تشریح
1.6 مناجات کی تعریف
1.6.1 امیر مینائی کا تعارف
1.7 (۳) مناجات (متن)
1.7.1 مناجات کی تشریح
1.8 نظم نگاری کی تعریف
1.8.1 ضمیر عاقل شاہی کا تعارف
1.9 (۴) نظمیں (ا) میں ہندوستانی (متن)
1.9.1 نظم کی تشریح

1.10 (۲) میل کے پتھر
1.10.1 نظم کی تشریح
1.11 خلاصہ
1.12 نمونہ امتحانی سوالات
1.13 فرہنگ
1.14 سفارشی کتب

1.0 اغراض و مقاصد :

اس اکائی کو مکمل کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

☆ اس اکائی میں حمد، نعت، مناجات اور نظم کی تعریف پیش کر سکیں۔

☆ متعلقہ شعراء کا تعارف کرا سکیں اور

☆ وجہی کی حمد، ساغر نظامی کی نعت، امیر مینائی کی مناجات اور ضمیر عاقل شاہی کی نظموں کی تشریح کر سکیں۔

1.1 تمہید :

اس اکائی میں وجہی کی حمد، ساغر نظامی کی نعت، امیر مینائی کی مناجات اور ضمیر عاقل شاہی کی نظمیں دی گئی ہیں۔ اصناف اور شعراء، کا مختصراً تعارف کرایا گیا ہے، اور ہر شعری فن پارے کی تشریح بھی کی گئی ہے کہ آپ ان اصناف اور متن کو جان سکیں۔ ان شعری تخلیقات کے مطالعہ سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہمارے شاعروں نے اپنے جذبات کا اظہار کس عقیدت، وابستگی اور سلیقے سے کیا ہے۔

1.2 حمد کی تعریف

حمد کا مطلب وہ اشعار یا نظم جس میں خدائے تعالیٰ کی تعریف بیان کی گئی ہو اس کی رحمتیں اس قدر عام اور اس کی نعمتیں اس قدر زیادہ ہیں کہ کوئی شخص ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ البتہ ہر شخص اپنے خالق کی بے پناہ کرم فرمائیوں کو یاد کر کے اس کے حضور میں اپنے حوصلہ کے مطابق حمد و ثناء کا نذرانہ پیش

کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور حمد گو شاعر یعنی حمد کہنے والا شاعر خدا کی تعریف اپنی پسند کے مطابق غزل کے پیرائے میں یا مثنوی یا مسدس یا مخمس یا کسی اور شعری پیرائے میں بھی کرتا ہے۔

شاعر خدا کی بزرگی و بڑائی کو مختلف طریقوں سے پیش کرتا ہے، اپنے تخئیل سے کام لے کر خدا کی خلاقی کے مختلف پہلوؤں کو بڑے انوکھے اور دلفریب انداز سے اجاگر کرتا ہے۔ ایسا کرتے ہوئے نئی نئی تشبیہات، استعارات، سے مدد لیتا ہے، اور خدا کی قوتِ تخلیق کو سراہتا ہے۔ غرض کہ حمد میں شروع سے آخر تک خدکی ذات کو موضوع بنایا جاتا ہے۔ حمد نگاری شاعر کی فنی قابلیتوں اور اس کے افکار و اعتقادات کا پیمانہ بھی ہوتی ہے شاعری کی جب ابتداء ہوئی تو شاعر اپنے کلام کا آغاز خدا کے نام سے کرتا اور اسکی تعریف میں اشعار کہتا، رفتہ رفتہ شاعری میں ایک روایت بن گئی اور شعراء نے اس روایت کا خوب استعمال کیا اور شاعری کی ایک حصہ کے طور پر علیحدہ سے حمد کے نام سے اشعار کہنے لگے۔

1.2.1 وجھی کا تعارف : ا۔ وجہی (1566-1660) (قیاساً) :

نام اسد اللہ تھا اور اپنا تخلص وجہ وجیہہ، وجیہی، وجہی، وجیہا، ان مختلف صورتوں میں استعمال کرتا تھا، وہ دکنی اردو کا بہت بڑا شاعر و ادیب تھا۔ اسے نظم و نثر دونوں پر قدرت حاصل تھی۔ قطب شاہی عہد میں ملک الشعراء کا خطاب حاصل کر چکا تھا، بڑی طویل عمر پائی تھی، قطب شاہی عہد کے چار بادشاہوں کا زمانہ دیکھا تھا، اس کے آباو اجداد خراسان سے ہجرت کر کے قطب شاہی عہد میں ہندوستان آئے تھے، اس کا گھرانہ قطب شاہی عہد کے امراء میں شمار ہوتا تھا، شعر و ادب، اخلاقیات، علوم اسلامیہ، حدیث تصوف، وغیرہ میں مہارت تھی۔

حصول علم کا شوق تھا، فارسی مادری زبان تھی، عربی تلنگی، گجری دکنی بھی سیکھی، دکنی زبان کو زبان ہندوستان کہتا تھا، کتابوں کا مطالعہ گہرا تھا، حافظ سعدی خاقانی امیر خسرو جیسے شعراء کے کلام سے اکتساب کیا۔

اس سے یادگار تخلیقات میں نثر میں سب رس تاج الحقائق (تصوف کا رسالہ ماہ سیما و پری رخ (منسوب) نظم میں دیوان وجیہہ (فارسی) مثنوی (قطب مشتری) کہا جاتا ہے، کہ اردو دیوان بھی ہے مگر دستیاب نہیں ہے۔

1.3 حمد :ملا وجہیؔ (متن)

تُوں اوّل توں آخر توں قادر اہے   تُون مالک توں باطن توں ظاہر اہے
تُون محصی توں مبدی توں واحد سچا   تُوں تُو اب۔ تُوں رب توں ماجد سچا

تُوں باقی توں مقسم توں ہادی توں نور   تُوں وارث۔ توں منعم توں برتوں صبور
تُوں ستار ہور توں سو جبّار ہے   تُوں وہاب۔ ہور توں سو قہّار ہے

تُوں رزّاق ہے ہور تو تھیں عظیم   تُوں فتاح۔ سے ہور تو تھیں علیم
تُوں قدوس ہے ہور تو تھیں سمیع   تُوں قیوم ہے ہور تو تھیں بدیع

تُوں رافع اہے ہور تو تھیں علی   توں جامع اہے ہور تو تھیں ولی
تھیں ہے ملک ہور تو تھیں سلام   تھیں ہے مہیمن تو تھیں نیک نام

تھیں ہے معز ہور تو تھیں بصیر   تھیں ہے مذل ہور تو تھیں خبیر
تھیں حافظ ہے ہور تو تھیں حبیب   تھیں حق اہے ہور تو تھیں منیب

تھیں ہے خلیل ہور تو تھیں کریم   تھیں ہے عزیز ہور تو تھیں کلیم
تھیں باسط ہے ہور تو تھیں قریب   تھیں قابض ہے ہور تو تھیں مجیب

تھیں ہے لطیف ہور تو تھیں غفور   تھیں ہے حفیظ ہو رتو تھیں شکور
تھیں ہے حلیم ہور تو تھیں شدید   تھیں ہے قوی ہور تو تھیں مجید

تھیں حی ہور تو نچ ستار ہے
تھیں محی ہور تو نچ غفار ہے

1.3.1 حمد کی تشریح :

ملا وجہی شاعر بھی تھے اور نثر نگار بھی ، قطب مشتری ، شاعری میں ان کا بے مثال کارنامہ ہے، وجہی اپنی اس حمد میں کہتے ہیں کہ اے خدا تو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا، تو ہی قدرت والا ہے، تو ہی ہمارا مالک اور پروردگار ہے۔ تو ہماری اندر اور باہر ساری باتوں سے واقف ہے۔ تو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا تو ہی ہمارا پالنے والا ہے، تو ہی بزرگ ہے۔ تو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے تو ہی نور ہے تو ہی نعمت دینے والا ہے۔ تو ہی گنہگاروں پر نرمی کرنے والا ہے۔ وجہی کہتے ہیں کہ اے خدا تو ہی ہمارے عیبوں کی پردہ پوشی کرنے والا ہے تو ہی جبر کرنے والا ہے تو ہے قہر کرے گا اور تو ہی ہم کو بخشنے والا ہے، تو ہی رزق دینے والا ہے تو ہی عظمت والا ہے، تو ہی ہمیشہ فاتح رہے گا تو ہی ساری باتوں کا جاننے والا ہے۔ تو ہی پاک ہے اور تو ہی ایجاد کرنے والا ہے، اور تو ہی تو ہمیشہ قائم رہے گا۔

وجہی اپنی حمد میں خدائے تعالیٰ کی صفات کا بار بار ذکر کرتے ہیں کہ اے خدا تو ہی بلندیوں والا ہے تو ہی جامع ہے تو ہی ہماری حفاظت کرنے والا ہے، تو ہی حق اور سچ ہے تو ہی ہمارا دوست ہے، اور تو ہی ہمارا آقا اور مالک ہے تو ہی عزت والا ہے، تو ہی ہمارا دوست ہے ہم پر کرم کرنے والا تو ہی ہے، تو ہی عزت والا ہے، اور تو ہی کلام کرنے والا ہے، تو ہی ہمارے قریب ہے اور تو ہی قبول کرنے والا ہے۔ ہر شئے پر تجھ کو قدرت حاصل ہے تو ہی پاک ہے تو ہی ہے بخشنے والا ہے، تو ہی بہت شکر کرنے والا ہے، تو ہی ہماری حفاظت کرنے والا ہے۔ وجہی خدائے پاک کے حضور میں یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا تو ہی بردبار اور متحمل مزاج ہے اور تو ہی مجید اور بزرگ ہے اور تو ہی ہے جو ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، سب کی مغفرت کرنے والا تو ہی ہے، وجہی نے اپنی اس حمد میں خدائے تعالیٰ کی صفات گناتے ہوئے اس کی تعریف کی ہے۔

1.4 نعت کی تعریف :

وہ نظم ہے یا ایسے اشعار کا مجموعہ ہے جس میں رسول خدا ﷺ کے اوصاف بیان کئے جاتے ہیں اور ان سے عقیدت کا اظہار کیا جاتا ہے، نعت کے لئے بھی شاعر حمد کی طرح کسی بھی صنف سخن کا

پیرایہ اختیار کر سکتا ہے۔یعنی نعت مثنوی، یا غزل یا قطعہ کے پیرائے میں کہی جا سکتی ہے۔نعت گوئی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ بہت مشکل اور نازک فن ہے، اس کے لئے ایک تو رسول خداﷺ کی ذات سے مکمل عقیدت ہونی چاہئے اور دوسرے شریعت اسلامی سے بخوبی واقفیت اور اسلامی تاریخ کا صحیح شعور رکھنا بھی ضروری ہے۔نعتیہ کلام کے پیش کرنے کے لئے شاعر کے باطن میں خاص قسم کے وجدان اور حیات و کائنات کی تخلیق سے دلچسپی کا پایا جانا بھی بڑی حد تک ضروری ہے۔کائنات میں خدا کے بعد رسول کریم کی ذات مبارک سب سے بڑی ذات ہے۔آپ کی اس برتری و بزرگی کا احترام برقرار رکھنا بہت اہم ہے، مثنویات، میں ابتداء، عموماً حمد سے ہوئی ہے، حمد کے بعد مناجات کہی جاتی تھی، مگر آگے چل کر اس نے ایک مستقل صنف سخن کی حیثیت اختیار کر لی اور ہماری شاعری میں اس نے خوب رواج پایا۔

1.4.1 ساغر نظامی کا تعارف : (1905-1984)ء

ان کا اصل نام محمد یار خان ساغر تھا، علیگڈھ میں پیدا ہوئے، والد کا نام احمد یار خان ہے۔ عربی فارسی کی تعلیم مکان پر ہوئی، انگریزی ہائی اسکول تک پڑھی ذوق شاعری فطری تھا۔ علامہ سیماب اکبرآبادی کے تلامذہ میں سے تھے، ان کا خیال ہے کہ شاعری کی تکمیل مشاہدہ حیات مطالعہ فطرت اور تجربات سے تعلق رکھتی ہے۔کلام میں شیرینی سادگی کے ساتھ درد واثر ہے۔وطنی قومی ملکی نظمیں خوب کہی ہیں جنگ آزادی کی منظوم تاریخ لکھی ہے۔محبّ وطن اور قادرالکلام شاعر تھے۔کالی داس کے ڈرامے شکنتلا کا منظوم ترجمہ بھی کیا۔انہیں ادبی خدمات کے صلے میں معتدد انعامات سے نوازا گیا ہے۔آل انڈیا ریڈیو میں ملازمت کی اور ایک عرصے تک دہلی میں مقیم رہے۔اور ایک مدت تک ایشیاء کے مدیر بھی رہے۔ان سے یادگار تخلیقات میں بادہ مشرق اور شکنتلا (کا منظوم ترجمہ) ہیں۔

1.5 ۲۔ نعت : ساغر نظامی : (متن)

ازل سے جاری و ساری ہے چشمہ ہدایت کا — تمدن کیا ہے اک دھندلا سا نقش پارسالت کا
ہراک تہذیب ہے وجدانِ انسانی کا اک مظہر — جسے عمرانیت کہتے ہیں پر تو ہے محبت کا
اگر پیغمبران حق زمانے سے نہ ٹکراتے — نہ ہوتا بول بالا دہر میں امن و صداقت کا

سلام اس پر جو روحِ زندگی عطرِ ہدایت تھا — سراپا اک خلاصہ ہادیانِ حق کی سیرت کا
سلام اس پر کہ جو آئینہ امن و صداقت تھا — سلام اس پر کہ جو مشرق تھا انوارِ حقیقت کا
جہانِ آدمی ہوتا فقط صحرائے تاریکی — اگر رہبر نہ ہوتا نور اس شمعِ ہدایت کا

اگر چاہے یہ دنیا ایک نئی امید کا امرت — تو سرچشمہ ہے جاری آج بھی اس کی ہدایت کا
پگھل کر رہ گئے رنگ اور نسل وقوم کے بندھن — وہ خالد جس نے پھونکا صور انسانی محبت کا
پرویا رشتہ، وحدت میں جس نے سارے عالم کو — مٹایا وہم جس نے امتیاز ملک و ملت کا

سلام اس رحمتِ عالم پہ، اس عشقِ مجسم پر — دیا حیوانیت کو ذوق جس نے آدمیت کا
سلام اس پر کہ دی طائف کی چوٹی سے صدا جس نے — ضمیر و دین کی آزادی تو حق ہے آدمیت کا

نئی تہذیب کی قدریں نئے مسلک کے پیمانے — نیا معیار لایا جو مساوات و اخوت کا
سلام اس پر کہ جس نے حق کا یہ پیغام پہنچایا — کہ ہر دھرتی میں ہم نے بیج ڈالا ہے نبوت کا
دعا دی ظالموں کو ان کے ظلم ناروا پر بھی — کلیجہ موم جس نے کردیا جبر و شقاوت کا

تپیدہ ریگ زاروں کو گلستاں کردیا جس نے — جہالت کے اندھیروں میں چراغاں کردیا جس نے
ازل سے جاری و ساری ہے سرچشمہ ہدایت کا — تمدن کیا ہے اک نازک سا نقشِ پارسالت کا

1.5.1 نعت کی تشریح:

یہ نعت شریف ساغر نظامی کی ہے اس نعت شریف میں ساغر نظامی نے حضور اکرم ﷺ کے حضور میں اپنی عقیدت کے نذرانے پیش کئے ہیں۔ ساغر نظامی کہتے ہیں کہ روز اول سے حضور ﷺ کی ہدایت کا سلسلہ جاری ہے۔ اور تہذیب وتمدن تو رسالت مآب ﷺ کا دھندلا سا نقش پا ہے۔ تہذیب اگر انسانی وجدان کا اظہار ہے تو عمرانیات محبت کا سایہ ہے۔ دنیا میں امن اور سچائی کا چرچا اس لئے ہے کہ پیغمبروں نے زمانے سے ٹکرایا اور ایک راہ متعین کی۔ ساغر نظامی، حضور محمد ﷺ کو روح زندگی عطر ہدایت اور حق کی رہنمائی کرنے والوں کی سیرت کا خلاصہ قرار دیتے ہوئے ان پر سلام بھیجتے ہیں۔ سلام حضور ﷺ پر کہ حضور ﷺ امن وصداقت کے آئینہ دار تھے۔ انوارِ حق کے سورج تھے، ساغر نظامی کہتے ہیں کہ اگر محمد ﷺ ہمارے رہبر نہ ہوتے تو ساری دنیا اندھیروں کا جنگل بنی ہوتی۔

ساغر نظامی کہتے ہیں کہ اگر دنیا نئی امیدوں اور آرزوؤں سے ہمکنار ہونا چاہتی ہے تو حضور ﷺ کے فیض کا چشمہ آج بھی جاری ہے۔ حضور نے انسانی محبت اور اخوت کا وہ پیغام دیا ہے کہ رنگ، نسل اور علاقے کی ساری تفریقیں ختم ہوگئیں، سارے امتیازات ختم ہوگئے، ملک وملت کا فرق بھی ختم ہوگیا، اور ساری دنیا ایک رشتے میں بندھ گئی، حضور کی ذات مقدس پر ہزاروں سلام، آپ ﷺ نے حیوانِ صفت لوگوں کو بھی انسانیت کا پیغام دیا، اور طائف سے یوں مخاطب ہوئے کہ ضمیر ودین کی آزادی تو آدمیت کا حق ہے۔ آپ ﷺ نے نئی تہذیب، نئے مسلک اور مساوات وحقوق کے نئے پیمانوں سے دنیا کو آشنا کیا۔ حق اور سچائی کا پیغام دیا، اور کہا کہ ہم نے کرہ ارض کے ہر خطّہ پر نبی بھیجے ہیں، حضور ﷺ کی سیرت پاک کا یہ وصف ہے ظالموں کو ان کے ظلم باوجود عادی جابروں اور ظالموں کا کلیجہ موم کردیا۔ گرم اور جھلستے ریگستانوں کو گلستان بنادیا، اور عرب جیسی جاہل قوم کو بھی دنیا کی ترقی یافتہ اور مہذب قوم بنادیا۔

1.6 مناجات کی تعریف:

مناجات ایسے اشعار کا مجموعہ ہوتی ہے جس میں شاعر بارگاہِ رب العالمین میں اپنے دعائیہ اشعار پیش کرتا ہے۔ مناجات، حمد ہی کے سلسلے کی چیز ہے۔ حمد میں خدائے پاک کی تعریف ہوتی ہے تو مناجات میں بندہ خدائے پاک کی درگاہ میں سربہ سجود ہوتا ہے اور اللہ کی حمد وثنا کرتے ہوئے اس کی عظمت کے گیت گاتے ہوئے عرضِ مدعا کرتا ہے۔

1.6.1 امیر مینائی کا تعارف (1900-1828)ء

امیر مینائی کا اصلی نام امیر احمد اور تخلص امیر ہے۔ والد کا نام کرم محمد تھا، امیر لکھنو میں پیدا ہوئے، سلسہ نسب لکھنو کے مشہور بزرگ مخدوم شاہ مینا سے ملتا ہے، اسی لئے مینائی کہلائے۔ تعلیم علمائے فرنگی محل سے پائی۔ عربی اور فارسی میں مہارت تھی، بہت منکسر المزاج تھے۔ متقی و پرہیز گار، بچپن سے ہی شعر وشاعری کا شوق تھا، منشی مظفر علی اسیر کے شاگرد ہوئے۔ واجد علی شاہ کے دربار میں رسائی ہوئی انہوں نے دو کتابیں لکھوائیں۔ ارشاد السلطان اور ہدایت السلطان اور انعام واکرام سے نوازا، بیالیس سال تک رام پور میں قیام کیا، داغ دہلوی سے گہری وابستگی رہی، حیدرآباد گئے تو اپنے ساتھ وہاں بھی لے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔

امیر کی زبان لکھنو کی ٹکسالی زبان ہے، اوان کا کلام فصیح شیرین و سلیس ہے، امیر کو صحت زبان، روزمرہ اور محاورہ کا خاص خیال رہتا تھا، ان کی غزلیں تصوف اور عشق ومحبت کے جذبات سے لبریز ہیں۔ خیالات میں گہرائی وجذبات میں رنگینی وندرت ہے۔ طرز ادا کی سادگی بھی ہے۔ امیر نے جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔

امیر مینائی کثیر تصانیف کے مالک ہیں۔ نثر میں خیاباں، آفرینش، انتخاب یادگار (شعرائے رام پور کا تذکرہ) امیر اللغات، نظم میں صنم خانہ، عشق، مراۃ الغیب، محامد خاتم النبین، (نعتیہ کلام) نورِ تجلی، ابر کرم، مینائے سخن وغیرہ۔

۳۔ مناجات :

1.7 ۳۔امیر مینائی : (متن)

الٰہی عام ہے تیری عنایت نہیں تیری عنایت کی نہایت

ادھر بھی دیکھ لے چشم کرم سے چھڑا دے مجھ کو بھی دنیا کے غم سے

نہ ہاتھی مانگتا ہوں میں نہ گھوڑا الٰہی مانگتا ہوں صبر تھوڑا

چلوں راہِ طلب میں سب سے آگے　　بلا آئے و دل اس سے نہ بھاگے
مجھے بھی کردے ان بندوں میں شامل　　عطا کر مجھ کو بھی ایمانِ کامل
کمی کیا تیرے گھر میں تو غنی ہے　　بشارت جن کو بے خوفی کی دی ہے

1.7.1 مناجات کی تشریح :

امیر مینائی اس مناجات میں خدائے پاک کے حضور میں دست بہ دعاء ہیں، کہ اے پروردگار تیری عنایات اور مہربانیاں عام ہیں اور تیرے کرم اور تیری مہربانیوں کی کوئی حد نہیں۔ میں تیرے دربار سے نہ ہاتھی مانگتا ہوں، اور نہ گھوڑا، نہ دولت نہ جائیداد، بس مجھے صبر کی دولت عطا کر، امیر مینائی کہتے ہیں کہ میں مصیبتوں اور پریشانیوں سے بھاگنے کی جراءت نہ کروں، مجھے توفیق دے کہ میں راہ طلب میں سب سے آگے رہوں، اے خدا مجھے ایمانِ کامل کی دولت عطا کر اور مجھے ان بندوں میں شامل کر جو بے خوف ہیں، امیر مینائی کہتے ہیں کہ اے خدا تو غنی ہے اور تیرے گھر میں کوئی کمی نہیں ہے۔

1.8 نظم نگاری کی تعریف :

نظم کے لغوی معنی آراستہ کرنے کے ہیں اس لحاظ سے نظم کی تعریف ہوئی کہ وہ کلام موزوں ہے جس کو کہنے والے نے غور وفکر سے مقررہ اوزان میں سے کسی وزن پر ڈھالا ہوا اور مقفیٰ کیا ہو۔ وزن حرکات سکنات کی یکسوئی کو کہتے ہیں۔ ایک شعر کے دو حصے ہوتے ہیں، ان میں ہر حصہ مصرعہ کہلاتا ہے۔ دو مصرعوں سے ایک شعر بنتا ہے اور شعر میں قافیہ بھی لایا جاتا ہے۔ یعنی قافیہ ان حروف اور حرکات کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ جو مصرعوں کے آخر میں یکساں طور پر لایا جاتا ہے، قافیہ کے لئے ردیف کا ہونا ضروری ہے، ردیف ہر شعر میں قافیہ کے بعد آتی ہے۔ نظم کوئی خاص صنف نہیں ہے ، اردو شاعری میں مختلف ، موضوعات پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ ہر نظم کا ایک ڈھانچہ یا ساخت ہے۔ اسی کو بنیاد بنا کر شاعر داخلی کیفیات خارجی واقعات مناظر قدرت فطری جذبات واقعات وطنی قومی

عصری میلانات کو بیان کرتا ہے۔غرض ہر صنف سخن کی کچھ پابندیاں ہوتی ہیں، شاعران پابندیون کا لحاظ رکھتا ہے اور اپنے جذبات کو اسی کینواس پر اتارتا ہے، نظم کی اقسام کچھ اس طرح کی ہیں۔ مثنوی، قصیدہ، نعت، مناجات، قطعہ، رباعی، ریختی، نظم آزاد، معرٰی، وغیرہ وغیرہ ہیں۔

1.8.1 ضمیر عاقل شاھی کا تعارف : (1908 - 1978)ء

سید ضمیر الدین نام، ضمیر عاقل شاہی کے نام سے موسوم کئے جاتے تھے، ریاست کرناٹک کے خوش گو شاعر تھے، 1908 میں میسور میں پیدا ہوئے، کم سنی میں والدہ چل بسیں اسلئے خالہ کے سایہء عاطفت میں رہے۔ کرنول وانمباڑی کی درسگاہوں میں ابتدائی تعلیم پوری کی۔ ایک مدت تک محکمہء تعلیم سے بھی وابستہ رہے۔ حیدرآباد کے ادارہ ادبیات اردو میں بھی کام کیا۔ اور ڈاکٹر محی الدین قادری زور کے ساتھ بھی رہے۔

ضمیر عاقل شاہی کے جدّ امجد نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے پیر و مرشد رہے۔ ان کے والد ماجد زبیر بھی اچھے شاعر تھے۔ گھر کا ماحول شعر و شاعری کا تھا، اسلئے ضمیر عاقل شاہی کو بھی شعر و ادب سے دلچسپی پیدا ہوئی اور ابتداء میں اپنے والد سے اپنے کلام کی اصلاح کروائی۔ اس کے بعد مولانا شاہ ابوالحسن ادیبؔ سے اصلاح لی، ان کو طالب علمی کے زمانے سے ہی شعر و شاعری سے دلچسپی ہونے کے سبب بہت جلد زبان پر قدرت اور عبور حاصل کر لی۔ مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی۔ ان سے یادگار دو شعری مجموعے ہیں، لالہء صحرا اور اجالوں کا سفر۔

1.9 نظمیں : ضمیر عاقل شاھی :میں ھندوستانی : (متن)

مرے عزم کو ان بہاروں سے پوچھو ۔۔۔ زمیں تو زمیں، چاند تاروں سے پوچھو
مرے نقش پا کا ہے اعجاز کیا کیا ۔۔۔ مہکتی ہوئی رہ گزاروں سے پوچھو
مقدر جہاں کا بدلنے لگا کیوں ۔۔۔ میرے ہلکے ہلکے اشاروں سے پوچھو

مرے ذوق کی خوشہ چیں ساری دنیا　　کسی ایک سے کیا ہزاروں سے پوچھو
وہ جادو کہ ہے جس سے بس میں زمانہ　　زمانے کہ ہم راز داروں سے پوچھو
اٹھا کرتے ہیں کیسے طوفان بن کر　　جنوں خیز فطرت کے ماروں سے پوچھو
ابھر آئیں گے اور بھی رنگ کیا کیا　　اسے کچھ مرے خواب زاروں سے پوچھو
اگر ہے کوئی غم تو پھر لذت غم　　غم عشق کے بیقراروں سے پوچھو
کبھی کی بھی تھی میں نے جنت کی خواہش　　ضمیر ان مرے لالہ زاروں سے پوچھو

1.9.1 میں ہندوستانی : (نظم کی تشریح)

ضمیر عاقل شاہی کی اس نظم کا عنوان "میں ہندوستانی" ہے، شاعر یہاں یہ کہنا چاہتا ہے کہ ہر ہندوستانی فطرت سے بے حد قریب بلکہ فطرت کا راز دار ہے۔ وہ ایک ہندوستانی ہے، اور اس کے ہندوستانی ہونے کی تصدیق فطرت کے مختلف ذرائع سے لی جاسکتی ہے۔ اگر شاعر کے عزم وارادے کو جاننا ہے تو بہاروں سے پوچھو وہ واقف ہیں زمین ہی نہیں چاند تارے بھی اس کو جانتے ہیں، اس کے پاؤں کے نقوش کیا کچھ کر سکتے ہیں، راستوں سے دریافت کرو جو شاعر کے زیر قدم رہے ہیں اور مہکتے ہیں، یہ میرے ہلکے ہلکے اشاروں کا فیض ہے، پردنیا کا مقدر بدلتا جارہا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے کردار اور محنت سے دنیا کا نقشہ بدل دیا ہے۔ میں ہندوستانی ہوں، میرا ذوق اور میرا کردار ایسا ہے کہ کوئی ایک نہیں ہزار ہا لوگ اس سے واقف ہیں، میری محنت اور میری جستجو ایسا کام کرتی ہے جیسے کوئی جادو کر رہا ہوں، زمانے کے راز دار ہی اس حقیقت پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ طوفان کیسے اٹھا کرتے ہیں اس حقیقت کو جنوں خیز فطرت کے مارے ہی بیان کر سکتے ہیں، میرے خواب میرے ارمان ہی یہ بتا سکتے ہیں، شاعر کہتا ہے کہ اگر کوئی غم ہے تو اس غم کی لذت کا احوال وہی لوگ بتا سکتے ہیں جو غمِ عشق سے بے قرار ہیں، میرے لالہ زار اس سے واقف ہیں کہ میں نے بھی کبھی جنت کی خواہش کی تھی لیکن اب تو میرے لئے میرا ملک ہی جنتِ نشان ہے۔

1.10 (ii) میل کے پتھر (متن)

لوگ کہتے ہیں کہ مہلت کا ہے اک پل بھی بہت
ٹوٹتے ٹوٹتے ٹوٹے کسی محفل کا جمود
آدمی کیا ہے فقط جہدِ مسلسل کا کفیل
آج بو کر جسے کل کاٹ لیں وہ چیز نہیں
پھر بھی حیرت ہے کہ یہ لعبت آزادی ہند
وہ جو دانائے اقالیم ہیں کچھ دیو نما
اس کے تہذیب وتمدن یہ رنگارنگ کے پھول
آج دنیا کی نگاہوں میں ترنگے کا نشان
اپنی یہ شان ہی سب سے بڑی نعمت سہی
کتنے بیتاب نظر آتے ہیں معصوم عوام
اک طرف رنگِ محل، قہقہے، بدمستیء جام!
جشن کی رات ہے لیکن یہ کہوں آج کی رات
تھا جو پیغام محبت لئے مذہب کا وجود
وہ جو تھے زمزم و گنگا، کبھی تریاق گناہ
آج بھی دیش میں ہیں ذہن کے بیمار بہت
آج بھی برسرِ پیکار ہیں ہم وقت کے ساتھ
جشنِ سیمیں کے چراغوں بھری یہ شب کا سماں
اور یہ سطوت و شانِ رخِ امروز کا نور
جشن پر جشن کو اقوام کا حاصل نہ کہو

میں سمجھتا ہوں یہ پچیس برس کچھ بھی نہیں!
ہاں وہ مرگھٹ ہو تو سوبانگِ جرس کچھ بھی نہیں!
یوں کئی نسلیں ابھرتی ہیں، مرجاتی ہیں!
قوم بننے کو تو صدیاں بھی گذر جاتی ہیں!
اتنی کمسن ہو کہ وہ معجزے دکھلانے لگی!
امن عالم کا انہیں فلسفہ سمجھانے لگی!
چاند ہے اپنا وطن، اور ہیں ہالہ کی طرح
سب سے اونچا نظر آتا ہے ہمالہ کی طرح
اور بھی اپنے مسائل ہیں نبٹنے کے لئے۔!
امن و انصاف کی دیوی سے چمٹنے کے لئے
اک طرف بھوک کی آگ پیاس کی سینوں میں جلن
کہیں جنت کہیں دوزخ کا نمونہ ہے وطن
نفرت و بغض کے شعلے وہی بھڑکانے لگا!
ان کے پانی میں بھی اب زہر نظر آنے لگا!
دل کے آئینوں پہ کچھ گرد وکدورت ہے ابھی
اب بھی ناسور ہیں، مرہم کی ضرورت ہے ابھی
حجلہء دل میں نئی شمع جلا دے تو سہی
کچھ نہ کچھ عظمتِ فردا کا پتا دے تو سہی
یہ تو ہیں میل کے پتھر انہیں منزل نہ کہو!!

1.10.1 میل کے پتھر: نظم کیتشریح :

ضمیر عاقل شاہی اپنی نظم "میل کے پتھر" میں کہتے ہیں کہ لوگ ایک پل کی مہلت کو بھی بہت جانتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ۲۵ سال کی مدت بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ دنیا کا سناٹا فوراً ختم نہیں ہوسکتا۔ یہ جمود تو ٹوٹتے ہی ٹوٹے گا، اور اگر وہ مرگھٹ ہے تو سو مرتبہ بھی آواز دیں کوئی جواب نہیں ملے گا۔ آدمی تو مسلسل کوششوں کا پیکر ہوتا ہے۔ کئی نسلیں آئیں گی، ختم ہوجائیں گی، ہماری کوششوں کا پھل ہم کو فوراً نہیں ملے گا، قومیں تو صدیوں میں کہیں بنتی ہیں، اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ ہم کو ابھی آزادی ملی ہے لیکن کئی ایک کے لئے ہم مثال ہیں ہم کو دیکھ کر لوگ امن عالم کا فلسفہ سمجھنے لگے ہیں، ہمارے وطن میں تہذیب وتمدن کے کئی جلوے ہیں ہمارے ملک کی دنیا میں بڑی اہمیت ہے، ہمارے پرچم کا یہ حال ہے کہ ترنگا سب سے اونچا ہے، ہمالہ پہاڑ کی طرح، لیکن ہمارے کئی مسائل ہیں جن کو حل کرنے کی ضرورت ہے، ضمیر عاقل شاہی کہتے ہیں کہ ہمارے عوام امن وانصاف کے لئے بے تاب ہیں، لیکن ہمارے وطن کا حال یہ ہے کہ ایک طرف قہقہے اور شراب و کباب ہے تو دوسری طرف بھوک سے لوگ بلبلا رہے ہیں۔ یہ جشن کا موقع ضرور ہے، لیکن کہیں جنت کی صورت ہے تو کہیں دوزخ کا سماں ہے، مذہب جو کبھی محبت کا پیغام دیتا تھا، اب نفرت اور عداوت کو پھیلانے کے لئے کام آرہا ہے۔ کبھی زم زم اور گنگا کے پانی گناہوں کو دھونے کے کام آتے تھے لیکن اب یہ پانی زہر آلود ہو چکے ہیں۔ آج لوگوں کے ذہن بیمار ہو چکے ہیں دلوں میں کدورت اور نفرت آ گئی ہے۔ آج بھی سب حالات کا مقابلہ کرر ہے ہیں۔ زندگی زخم آلود ہو چکی ہے، اس وقت مرہم کی ضرورت ہے، آج ہم آزادی کا جشن منا رہے ہیں، لیکن ضرورت اس کی ہے کہ دلوں میں نئی شمعیں روشن کریں۔ آج جو شان وشوکت ہے وہ اپنی جگہ، کل کے عروج واقبال اور شان وشکوہ کے بارے میں بھی تو کچھ معلوم ہو ضمیر عاقل شاہی کہتے ہیں کہ ہم جشن اور جشن مناتے رہیں لیکن یہ تو ہماری منزل نہیں، یہ تو میل کے پتھر ہیں، ابھی چین، سکون، اور امن وعافیت کی منزل بہت دور ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ اور نمونہ جوابات :

سوال ۱: وجہی کی حمد کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھئے:

سوال ۲: ساغر نظامی نے نعت شریف میں کن جذبات کا اظہار کیا ہے؟

سوال ۳: امیر مینائی کی مناجات کے ابتدائی تین اشعار کا مفہوم لکھئے؛

سوال ۴: میں ہندوستانی میں شاعر نے کن جذبات کا اظہار کیا ہے؟ لکھئے:

جواب: 1.3، 1.3.1، 1.3.2، 1.3.3، 1.3.4 کے تحت دیکھئے

1.11 خلاصہ :

اس اکائی میں ہم نے آپ کو وجہی کی حمد، ساغر نظامی کی نعت شریف، امیر مینائی کی مناجات اور ضمیر عاقل شاہی کی نظموں اور ان کی تشریح سے واقف کرایا۔ اغراض و مقاصد کے تحت آپ نے اس اکائی کے خاکے کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ آپ کے علم میں آچکا ہے کہ حمد، نعت، مناجات، اور نظمیں کیا ہیں۔ ان کے مفہوم سے بھی آپ واقف ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنی معلومات کی جانچ بھی کی، آخر میں نمونہ امتحانی سوالات بھی دیئے گئے، فرہنگ کے تحت مشکل الفاظ کے معنی بھی اور سفارشی کتب کا حوالہ بھی دیا گیا، توقع ہے آپ ان سب سے استفادہ کریں گے،

1.12 نمونہ امتحانی سوالات :

سوال ۱: وجہی نے حمد میں کن جذبات کا اظہار کیا ہے، تفصیل سے لکھئے:

سوال ۲: ساغر نظامی کی نعت کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھئے:

سوال ۳: امیر مینائی کی مناجات کا مطلب تحریر کیجئے:

سوال ۴: ضمیر عاقل شاہی کی کسی ایک نظم کا مفہوم تحریر کیجئے:

1.13 فرہنگ :

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
قادر	قدرت والا	جبّار	جبر کرنے والا
باطن	پوشیدہ چیز، اندرونی حصہ	سمیع	سننے والا
ماجد	بزرگ	قیوم	قائم رہنے والا
ہادی	رہنما	بصیر	دیکھنے والا
ستّار	چھپانے والا	خبیر	خبر رکھنے والا
حافظ	حفاظت کرنے والا	حبیب	دوست
خلیل	دوست	قابض	قبضہ کرنے والا
غفور	معاف کرنے والا	قوی	طاقتور، مضبوط
ازل	ابتداء	ہادیاں	ہادی کی جمع، رہنما
صحرا	جنگل	طائف	حجاز کا ایک قصبہ
صدا	آواز	اخوت	برادری، بھائی بند
ناروا	نامناسب	تپیدہ	گرم
عنایت	مہربانی	عزم	ارادہ
مقدر	تقدیر، قسمت	مہلت	وقفہ، فرصت
جمود	جم جانا	جرس	گھنٹہ

1.14 سفارشی کتب :

۱۔ ڈاکٹر اعجاز حسین — مختصر تاریخ ادب اردو
۲۔ ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی — تعارف: تاریخ اردو
۳۔ ڈاکٹر نورالحسن نقوی — تاریخ ادب اردو
۴۔ کلیات ساغر نظامی — ساغر نظامی
۵۔ قطب مشتری — ملا وجہی
۶۔ اجالوں کا سفر — ضمیر عاقل شاہی
۷۔ کلیات امیر مینائی — امیر مینائی

ڈاکٹر رفعت النساء
پروفیسر شعبہء اردو، میسور
یونیورسٹی، میسور

اکائی ۔۲

اقبال کی نظمیں اور سودا کی ہجو

ساخت

2.0 اغراض ومقاصد

2.1 تمہید

2.2 اقبال کا تعارف

2.3 (i) نظم "ہمالہ" (متن)

2.3.1 نظم "ہمالہ" کی تشریح

2.4 نظم ترانہء ہندی (متن)

2.4.1 (ii) ترانہء ہندی (تشریح)

2.5 نظم روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے (متن)

2.5.1 (iii) "روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے (تشریح)

2.6 ہجو کی تعریف

2.6.1 سودا کا تعارف

2.7 ہجو شیدی فولاد خان کوتوال (متن)

2.7.1 (iv) ہجو شیدی فولاد خان کوتوال (متن کی تشریح)

2.8 خلاصہ

2.9 نمونہ امتحانی سوالات

2.10 فرہنگ ؛

2.11 سفارشی کتب:

2.0 اغراض و مقاصد :

اس اکائی کو مکمل کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ اقبال کی ان تین نظموں کا متن سمجھ سکیں، اور ان کی تشریح کر سکیں، نیز ہجو کی تعریف کر سکیں، سودا کی ہجو پڑھیں اور اس کی تشریح کر سکیں۔

2.1 تمہید :

اس اکائی میں آپ اقبالؔ کی تین نظمیں اور مرزا محمد رفیع سوداؔ کی ایک ہجو دی گئی ہے، ہر نظم کی تشریح بھی کی جائیگی، اور آپ ان شاعروں کی فکر اور ان کی شاعری سے واقف ہو سکیں گے، ان نظموں کے مطالعہ کے بعد آپ کو اندازہ ہوگا کہ اقبال کے فکری زاویے کیسے ہیں، اور اپنے ملک ہندوستان کی ان کے دل میں کتنی عزت ہے اور زبان و بیان پر ان کو کتنی قدرت حاصل ہے۔ اور سودا نے ہجو کو کس طرح فن کا درجہ دیا ہے اور تقریباً ہر صنف سخن کو اس فارم میں استعمال کرنے کی کوشش کی ہے اور جو ہجو دی گئی ہے وہ مثنوی کے فارم میں لکھی گئی ہے، اس سے بھی آپ واقف ہو سکیں گے اور سودا کے طرز بیان اور اسلوب سے بھی واقف ہو سکیں گے۔

2.2 اقبالؔ کا تعارف : (1877 - 1938)

شاعر مشرق علامہ اقبالؔ، سیالکوٹ پنجاب میں پیدا ہوئے، ان کے اجداد کشمیری پنڈتوں کے ایک قدیم خاندان سے تھے، ابتداء میں عربی فارسی لاہور میں پڑھی، اس کے بعد جرمنی گئے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، لندن سے بیرسٹر ایٹ آف لا بن کر وطن واپس ہوئے، پیشہ وکالت تھا، لیکن اصلاً ہندوستان کے مسلمانوں کی قومی زندگی کے زبردست ہادی اور رہنما بن گئے، اردو شاعری میں نہایت بلند مقام حاصل کیا۔

اقبال کو شاعری کا شوق بچپن سے تھا، طالب علمی کے زمانے میں مشاعروں میں شریک

ہوئے تھے، ابتداء میں چند دن اپنا کلام داغ کو دکھایا، شاعری میں اقبال غالب سے بہت قریب تھے، فلسفہ سے انہیں خاص انسیت تھی، خودی کے فلسفہ کو کچھ اس طرح پیش کیا کہ یہ ان کی پہچان بن گیا۔ اپنے افکار شعری سے مسلمانوں کی زندگی میں ایک نئی روح پھونک دی۔

اقبال نے نظم و نثر میں خوب لکھا، خصوصاً اردو اور فارسی میں ان سے یادگار کئی تخلیقات ہیں، ان میں سے کچھ فارسی ہیں، اسرار خودی، رموز بے خودی، پیامِ مشرق، زبورِ عجم، جاوید نامہ، وغیرہ اردو میں بانگ درا، بالِ جبریل، ضرب کلیم، ارمغانِ حجاز وغیرہ نثریں مضامین خطوط دیباچے مقدمے خطبات کے علاوہ علم الاقتصادیات وغیرہ ہیں۔

2.3 نظم "ہمالہ (متن)

اے ہمالہ! اے فصیلِ کشورِ ہندوستان! چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشاں تو جواں ہے گردشِ شام و سحر کے درمیاں
ایک جلوہ تھا کلیمِ طورِ سینا کیلئے تو تجلی ہے سراپا چشمِ بینا کے لئے

امتحان، دیدۂ ظاہر میں کوہستاں ہے تو پاسباں اپنا ہے تُو دیوارِ ہندوستان ہے تُو
مطلعِ اوّل فلک جس کا ہو، وہ دیواں ہے تُو سوئے خلوت کلاہِ دل دامن کشِ انساں ہے تُو
برف نے باندھی ہے دستارِ فضیلت تیرے سر خندہ زن ہے جوکلاہِ مہرِ عالم تاب پر

تیری عمرِ رفتہ کی اک آن ہے عہدِ کہن وادیوں میں ہیں تیری کالی گھٹائیں خیمہ زن
چوٹیاں تیری ثریا سے ہیں سرگرمِ سخن تو زمیں پر اور پہنائے فلک تیرا وطن
چشمہء دامن تیرا آئینہ سیّال ہے دامنِ موج ہوا جس کے لئے رومال ہے

ابر کے ہاتوں میں رہوارِ ہوا کے واسطے تازیانہ دے دیا برقِ سرِ کو ہسار نے

اے ہمالہ کوئی بازی گاہ ہے تو بھی، جسے
دستِ قدرت نے بنایا ہے عناصر کے لئے
ہائے کیا فرطِ طرب میں جھومتا جاتا ہے ابر
فیلِ بے زنجیر کی صورت اڑا جاتا ہے ابر

جنبشِ موجِ نسیم صبح گہوارہ بنی
جھومتی ہے نشہء ہستی میں ہر گُل کی کلی
یوں زبانِ برگ سے گویا ہے اس کی خامشی
دستِ گلچیں کی جھٹک میں نے نہیں دیکھی کبھی
کہہ رہی ہے میری خاموشی ہی افسانہ مرا
کنج خلوت خانہء قدرت ہے کا شانہ مرا

آتی ہے ندی فرازِ کوہ سے گاتی ہوئی
کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتی ہوئی
آئینہ سا شاہد قدرت کو دکھلاتی ہوئی
سنگ، رہ سے گاہ بچتی، گاہ ٹکراتی ہوئی
چھیڑتی جا اس عراقِ دلنشیں کے ساز کو
اے مسافر! دل سمجھتا ہے تیری آواز کو

لیلٰی شب کھولتی ہے آکے جب زلفِ رسا
دامنِ دل کھینچتی ہے آبشاروں کی صدا
وہ خموشی شام کی جس پر تکلم ہو فدا
وہ درختوں پر تفکر کا سماں چھایا ہوا
کانپتا پھرتا ہے کیا رنگِ شفق کہسار پر
خوشنما لگتا ہے یہ غازہ ترے رخسار پر

اے ہمالہ! داستاں اس وقت کی کوئی سنا
مسکن آبائے انساں جب بنا دامن ترا
کچھ بتا اس سیدھی سادی زندگی کا ماجرا
داغ جس پر غازۂ رنگِ تکلف کا نہ تھا
ہاں دکھا دے اے تصور، پھر وہ صبح وشام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تُو

2.3.1 نظم ہمالہ (متن کی تشریح)

نظم ہمالہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کواپنے وطن پر کتنا ناز تھا۔اس نظم میں کہتے ہیں کہ ہمالہ ہندوستان کے لئے فصیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمالہ اس قدر بلند ہے کہ معلوم ہوتا ہے آسمان اسکی

پیشانی کو چوم رہا ہے، ہمالہ نہ جانے کتنی صدیوں سے ہے اس قدر قدیم ہونے کے باوجود اس میں قدامت کے آثار نہیں، یہ آج بھی جوان اور تازہ معلوم ہوتا ہے، اقبال یہاں کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر خدا کا جلوہ نظر آیا لیکن غور سے دیکھنے والی آنکھ اگر ہو تو اس کے لئے بھی تو ایک تجلی ہے۔ ہمالہ بظاہر پہاڑ ہے، لیکن یہ ہندوستان کے لئے ایک دیوار ایک پاسباں کا کام دیتا ہے تو وہ دیوان ہے آسمان جس کا مطلع اول ہے اور دیکھنے والوں کے لئے دلکشی کا باعث ہے، ہمالہ کی چوٹیوں پر برف سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس کے سر پر فضیلت کی دستار باندھ دی گئی ہو۔ ہمالہ اس قدر قدیم ہے کہ عہد کہن کی حیثیت ایک لمحہ کی طرح ہو جاتی ہے، تیری وادیوں میں کالی کالی گھٹائیں ہیں ،ثریا ایک ستارہ ہے جو بہت بلندیوں پر واقع ہے۔ تیری چوٹیاں بھی بلند ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں آپس میں محوِ گفتگو ہیں۔ تو زمین پر ہے لیکن تیرا وطن آسمان کی وسعتوں میں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ہمالہ کوئی کھیل کا میدان ہے جس کو قدرت نے اپنے ہاتھوں سے عناصر کے لئے بنایا ہے۔ ابر کو دیکھئے تو ایسے جھوم رہے ہیں جیسے کوئی ہاتھی جس کو بغیر زنجیروں کے کسی نے چھوڑ دیا ہے۔ جدھر دیکھئے نسیم صبح کے جھونکے ہیں۔ ہر کلی مست ہے۔ پتے خاموش ہیں لیکن اپنی خاموشی کے باوجود بہت کچھ کہہ رہے ہیں۔ اقبال منظر نگاری کرتے ہیں کہ پہاڑ کی بلندیوں سے ندی آرہی ہے۔ ندی بھی ایسی کہ کوثر و تسنیم شرما جائیں۔ ندی پتھروں سے ٹکراتی بچتی چلی آرہی ہے۔ ندی کے بہنے سے جو آواز آرہی ہے۔ اس کو دل ہی سمجھ سکتا ہے۔ یہ نہایت دلکش ساز ہے۔ جب رات آتی ہے تو آبشاروں کی صدا دل کو کھینچتی ہے دل ہی سمجھ سکتا ہے۔ وہ خموشی ہے کہ جس پر گفتگو بھی فدا ہو۔ درخت خاموش ہیں جیسے کسی سوچ میں ہوں۔ ایسے میں کوہساروں پر شفق ایسا محسوس ہوتا ہے کسی نے ہمالہ کے رخساروں پر غازہ لگا دیا ہو۔

اس پس منظر میں ہمالہ کو مخاطب کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں کہ اے ہمالہ اس وقت کی داستاں سنا جب تیرے دامن میں پہلے پہل انسان آباد ہوئے تھے۔ وہ سیدھی سادی زندگی جس میں کوئی تکلف نہیں تھا تو پیچھے کی طرف لوٹ اور تصور میں وہی دنیا آباد کر۔ اقبال نے اس نظم میں خوبصورت اور دلکش مناظر نگاری سے کام لیا ہے۔ یہ نظم اقبال کی پسندیدہ اور عمدہ نظموں میں شمار ہوتی ہے۔

2.4 (ii) نظم ترانہ ہندی (متن)

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا
غربت میں ہوں اگر ہم، رہتا ہے دل وطن میں سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا
پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا وہ سنتری ہمارا، وہ پاسباں ہمارا
گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں گلشن ہے جن کے دم سے رشک جناں ہمارا
اے آبِ رودِ گنگا! وہ دن ہیں یاد تجھ کو؟ اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا
مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا ہندی ہیں ہم، وطن ہے ہندوستان ہمارا
یونان و مصر، روما سب مٹ گئے جہاں سے اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا
کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا
اقبال! کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا!

2.4.1 نظم: ترانہ ہندی (تشریح)

یہ اقبال کا مشہور ترانہ ہے، اسے ہمارے ملک کا غیر سرکاری قومی ترانہ کہنا چاہئے۔ انہوں نے اس ترانے میں وطنِ عزیز کی عظمت کے گیت گائے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہندوستان سارے جہاں سے اچھا ہے یہ ایک باغ کی طرح ہے اور ہم اس کے بلبل ہیں۔ ہم وطن سے دور بھی ہوں تو ہمارا دل وطن میں رہتا ہے۔ ہمالہ سب سے اونچا پہاڑ ہے یہ ہماری نگرانی بھی کرتا ہے۔ ہمارے وطن میں کئی ندیاں ہیں جو باغوں کو سیراب کرتی ہیں، جس کی وجہ سے ہمارا گلشن یعنی ہمارا ملک ایسا ہے کہ جنت بھی اس پر رشک کرے۔ شاعر دریائے گنگا سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے گنگا سب سے پہلے ہم نے تیرے کنارے پر اپنی بستی بسائے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ہندوستان کے رہنے والے ہندی ہیں۔ ہمارا مذہب خواہ کوئی ہو ہم کو آپس میں دشمنی رکھنا نہیں سکھاتا، یونان، روم اور مصر جیسے ممالک جن کی آبادی وسیع اور قدیم تہذیب تھی سب دنیا سے مٹ گئے ہیں لیکن ہندوستان کی تہذیب باقی ہے۔ اور واقعہ

یہ ہے کہ زمانہ دشمن ہونے کے باوجود ہم اور ہماری تہذیب زندہ ہے۔ آخر میں اقبال کہتے ہیں کہ دنیا میں ایسا کوئی شخص نہیں جو ہمارا جاننے والا، ہمارا راز داں ہو، ہمارا جو چھپا ہوا درد ہے وہ کسی کو کیا معلوم، اقبال نے نہایت عمدگی کے ساتھ اس نظم میں اپنے قومی جذبات کی ترجمانی کی ہے۔

2.5 نظم "روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے" (متن)

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ! مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ! ایام جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ!
بے تاب نہ ہو معرکہ بیم و رجا دیکھ!

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل، یہ گھٹائیں یہ گنبدِ افلاک، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائیں تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینہء ایام میں آج اپنی ادا دیکھ!

سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے! دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے
ناپید ترے بحرِ تخیل کے کنارے پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعمیرِ خودی کر اثر آہِ رسا دیکھ!

خورشیدِ جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں جنت تیری پنہاں ہے تیرے خونِ جگر میں
اے پیکر گل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ!

نالندہ ترے عود کا ہر تار از ل سے تو جنسِ محبت کا خریدار ازل سے
تو پیرِ صنم خانہء اسرار ازل سے محنت کشی و خونریز و کم آزار ازل سے
ہے راکب تقدیر جہاں تیری رضا دیکھ!

2.5.1 نظم : روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ھے (تشریح)

اقبال کے مجموعہ کلام "بالِ جبریل" میں اس نظم سے پہلے کی نظم ،فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں، دونوں مل کر ایک نظم بنتے ہیں،فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہوئے کرۂ ارضی کے حالات سے واقف کراتے ہیں۔اور چونکہ آدم پہلی مرتبہ زمین پر آرہا ہے ا،اس لئے روح ارضی آدم کو دنیا کے حالات بتاتی ہے۔اس کی اہمیت اور حقیقت پر روشنی ڈالتی ہے۔روح ارضی آدم سے کہتی ہے کہ وہ آنکھ کھولے مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج، اور آسمان کو دیکھے، ذات الٰہی کو پردوں میں چھپا دیکھے اور اب ذات الٰہی سے دور ہونے کی وجہ سے جدائی کے ستم بھی سہے۔یہ بادل یہ گھٹائیں، یہ آسماں، یہ خاموش فضائیں، یہ پہاڑ، یہ جنگل، یہ سمندر، یہ ہوائیں، یہ سب تیرے اختیار میں رہیں گے۔کل تک تو نے فرشتوں کی ادائیں دیکھیں، آج زمانے کے آئینے میں اپنی ادا دیکھ۔یہاں ہر شئے پر تیری حکمرانی رہے گی، زمانہ تیری آنکھوں کے اشارے سمجھے گا، آسمان کے ستارے تجھے دیکھیں گے۔تیرے خیالات بے کراں سمندر کی طرح ہیں، فلک تک تیری آہوں کے شرارے پہنچیں گے، تو اپنی آہوں کا اثر دیکھ اور اپنی خودی کی تعمیر کر۔روحِ ارضی آدم سے کہتی ہے کہ تیری چنگاریوں میں سورج کے جیسی چمک ہے، تیرے ہنر میں ایک دنیا آباد ہے۔خدا کی بخشی ہوئی جنت، پر توجہ نہ کر اپنے خون جگر سے تو نئی جنت آباد کرسکتا ہے، اے مٹی کے پیکر تو کوشش اور مسلسل کوشش کر کے یہ سب کچھ حاصل کرسکتا ہے، میرے عود کا ہر تار روز ازل سے نالندہ ہے تو نے ہمیشہ محبت کی جنس خریدی ہے۔تو محنت کش اور خون ریز ہے اور لوگوں کو کم سے کم تکلیف پہنچانے والا ہے، تقدیر تیری رضا کے تابع ہے، گویا آدم اس دنیا کا مالک خدا کا خلیفہ ہے اور اس بستی کو جیسا چاہے آباد کرسکتا ہے۔

2.6 ھجو کی تعریف :

ہجو سے مراد "ھجا" ہے، جسے انگریزی میں پنچ (Punch) کہتے ہیں؛، ہجو، ظرافت کی جملہ اقسام میں سب سے زیادہ سخت اور چبھتی ہوئی چیز ہے۔شاعری میں تعریف وتوصیف قصیدہ کہلاتی

ہے، مگراس کے برخلاف مذمت دل آزاری، تنقید نوک جھونک، طعنہ ملامت پھبتی وغیرہ سے جب کام لیا جاتا ہے تو وہ ہجو کہلاتی ہے، ہجو کا مقصد اور مفہوم ظرافت کے منصب اور مذاق سے جدا ہے اور ہجو میں جو ظرافت ملتی ہے، وہ زہرخند ہے، ہجو کی محرکات انتقام کی شکل میں ابھرتے ہیں۔ دل کے پھپھولے پھوڑے بن جاتے ہیں ہجو نگار کے پیش نظر کوئی بڑا مقصد ہوتا ہے جسے وہ شعر کے سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے، اور فرد، معاشرے یا زمانے کے سیاسی وسماجی حالات کی ناہمواریوں، بدعنوانیوں، خامیوں، کمزوریوں، اور بداخلاقیوں کو ہدف ملامت بناتا ہے، طنز وہجو کی ایک صورت ہوسکتی ہے۔ مگر طنز میں بہت تلخی ہوتی ہے، اسے کم کرنے کے لئے مزاح سے کام لیا جاتا ہے، استہزاد، تمسخر، شوخی وظرافت بذلہ سنجی یا شگفتگی مزاح کے ہی مختلف روپ ہیں، طنز کی دوسری قسم وہ ہے جس میں مزاح کو دخل نہیں۔ اسے تعریف کہتے ہیں، غرض ایک ہجو نگار طنز ومزاح کے یہ تمام حربے استعمال کرتے ہیں، لہٰذا سودا نے ہجو میں تقریباً تمام اصناف سخن استعمال کئے ہیں، غزل، قصیدہ، رباعی، ترجیع بند، مثنوی، قطعہ وغیرہ۔

2.6.1 سودا کا تعارف : (1717 - 1781)

مرزا محمد رفیع سودا دہلی میں پیدا ہوئے والد کا نام محمد شفیع، تجارت پیشہ تھے، پرورش اور تعلیم دہلی میں ہوئی، دہلی تباہ ہوئی تو فرخ آباد اور فیض آباد ہوتے ہوئے لکھنو پہنچے وہاں نواب آصف الدولہ نے ملک الشعراء اور چھے ہزار روپیئے سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔ لکھنو میں بڑے آرام اور عزت سے زندگی بسر کی۔ وہاں کے شعراء سے آپ کی نوک جھونک مقابلے اور بڑے معرکے رہے اور وہیں انتقال کیا۔

سودا اردو کے نہایت ہی بلند پایہ اور عظیم شاعر تھے، میر اور سودا کو اردو کے سب سے بڑے شاعر قرار دیا جاتا ہے، اردو زبان اور شاعری کی آپ نے بے مثال اور گراں مایہ خدمات انجام دیں اردو قصیدہ کے سب سے بڑے شاعر تھے۔ اور ہجو گوئی میں بھی کوئی آپ کا ہم سر نہ ہوسکا، پہلے فارسی

میں کہتے تھے، بعد کو اردو میں کہنے لگے، نظم ونثر دونوں میں لکھا خوب لکھا، کلیات سودا بہت ضخیم ہے،۔ مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی۔ ان کے کلیات میں غزلیات، مثنویاں رباعیات مراثی ہجویات وغیرہ شامل ہیں۔ دیوان فارسی بھی ہے، نثر میں عبرت الغافلین مثنوی کا فارسی دیباچہ لکھا، سبیل ہدایت کا دیباچہ، شعلہ عشق کا دیباچہ وغیرہ اس کے علاوہ تذکرہ شعرا اردو بھی لکھا۔ قصائد وہجویات میں اپنی ایک الگ راہ نکالی۔ خصوصاً ہجو کوفن کی حیثیت سے اردو میں روشناس کروایا، اور مختلف اصناف سخن میں کامیاب تجربے کئے۔ ہجو کوتوال (مثنوی کے فارم) تضحیک روزگاہ (قصیدہ کے فارم میں) لکھی یہ ہجویات اس کی عمدہ مثال ہیں۔

2.7 (IV) ہجو شیدی فولاد خان کوتوال (متن)

کیا ہوا یارو وہ نسق ہیہات — لیموں کے چور کا کٹے تھا ہات
باندھا جاوے تھا چور پگڑی کا — مارا جاوے تھا دزد ککڑی کا
شہر میں کیا رہے تھا امن و اماں — کیسی کرتی تھی خلق خوش گذراں
تھا نہ رشوت سے کوتوال کو کام — شہر میں تھا نہ چوٹٹے کا نام!
اب جہاں دیکھو واں جھمکا ہے — چور ہے، ٹھگ ہے اور اچکا ہے
دیکھی ہم نے جو راہ چاوڑی کی — چشم ہے رہزنی، تلاوڑی کی
خاص بازار کا جو سنئے بیاں — ان نے نزدیک سے کاٹ ڈالے کان
دمڑی کے سودے کو جو واں جاوے — پگڑی کھو کے لو پیٹتا آوے
کس طرح شہر کا نہ ہو یہ حال — شیدی فولاد اب جو ہے کتوال
چور کب اس کا زور مانے ہے — کالا بال اپنا اس کو جانے ہے
جو یہ کتوال تو وہ مانے زور — یہ تو مجھ کو بھول کا ہے چور
ان سے رشوت لئے یہ بیٹھا ہے — اس کے دل میں یہ چور بیٹھا ہے

بعضوں کا مفسدوں کے زور ہے یہ — چور کا بھائی گٹھی چور ہے یہ

اپنے دروازے آگے رکھ نٹ کھٹ — کئے ہیں ان نے گھر کے گھر چوپٹ

ٹھک نہ تنہا چڑھے ہیں اس کی آنٹ — مل رہی ہے اچکوں سے بھی سانٹ

سر پہ یہ دیکھیں جس کے اچھی شال — گویا وہ اس کے باپ کا ہے مال

گشت جب اس کا پھرتا آتا ہے — یہی نرسنگیا بجاتا ہے

سن لو چورو یہ مختصر قصہ — صبح کو بھیج دیجیو حصہ

جو نظر باز اس کا چترا ہے — خو دیکھو تو جیب کترا

جتنے نوکر ہیں اس کے خدمتگار — فن وزدی کے سب ہیں بانی کار

کسوکا گٹھ کٹی و تیرا ہے — کوئی بھڑوا اٹھائی گیرا ہے

جس کے گھر بیچ اس کا آقا جاے — صاحب خانہ پر یہ آفت آئے

تاخبر دار گھر کا ہو صاحب — چوگھڑ سے پاندان تک غائب

ہینگے از بس یہ ہاتھ کے چالاک — ڈالیں ہیں اس کی آنکھوں میں بھی خاک

ٹک یہ غافل جو ان سے ہوتا ہے — تن کے کپڑوں کو اپنے روتا ہے

ایک دن اس نے سب سے طنز کی راہ — کہا تم ہو مرے نپٹ دل خواہ

چیز میری جواب چراؤ تم — چوک میں بیچنے نہ جاؤ تم

قیمت اس کی جو کچھ مشخص ہو — اتنے کو تم اسے مجھی کو دو!

ایک ان میں سے یہ سخن سن کر — لگا کہنے کہ اس سے کیا بہتر

کیا جب آپ تم نے یہ انصاف — میں بھی کرتا ہوں عرض رکھئے معاف

آپ کے سر پہ یہ جو پگڑی ہے — دو خریدار اس کے ہیں درپے

دس روپے وہ مجھے دلاتے ہیں — کہئے اب آپ کیا لگاتے ہیں

دوسرے نے کہا کہ میں ہوں غلام — نہیں ہوں جس سے ہووے ایسا کام

پگڑی آقا رکھے نہ سر سے اتار   اور قیمت کی اس کی ہو تکرار
پر دو شالے کے تیں لگا کر گھات   آج جاگا کیا ہوں ساری رات
میری محنت پہ ٹک نظر کیجئے   آگے جو دل میں آوے سو دیجے
غرض اس گفتگو سے ہے یہ مآل   واہ واہ واہ رے زہے کتوال
شہر کے بیچ کیا کہوں میں اب   روز محشر کی دھوم ہے ہر شب
شب ہے نرسنگیوں کی قال و قیل   گویا پھنکتی ہے صور اسرافیل
کتے آہٹ سے ان کی بھونکیں ہیں   مردے خواب عدم سے چونکیں ہیں
آنکھ تو کس بشر کی لاگے ہے   چوروں کے ڈر سے فتنہ جاگے ہے
آسماں پر بھی منعدم ہے خواب   کھلا رہتا ہے دیدہء مہتاب
لاکھ بندوق رات کو چھوٹے   کوٹھی پر ساہوکار کی پھوٹے
ہیں یہ سرگرم دزد بد انجام   لوٹے ہے تاخزانہء حمام
بزم میں شب ہر ایک پیر و جواں   بیٹھے ہیں کر کے رزم کا ساماں
تسپہ ہے یہ کہ بہر طرہء زر   لگے ہے چور شمع سے آکر
طرہ شمع اک طرف اے یار   گم ہے خورشید کی بھی شب دستار
شام سے صبح تک یہی ہے شور   دوڑ یو گٹھڑی لے چلا ہے چور
صبح شبنم جو گل پہ ہوتی ہے   بقچہ کو غنچہ کے وہ روتی ہے
مال صندوق میں رہے کس بھانت   تن کے کپڑوں پہ چوروں کا ہے دانت
اب تو درزی کا کچھ نہیں ہے ڈھنگ   کہتے پھرتے ہیں چور ہو سرہنگ
رکھ سکے کون ہم سے ہو کے کرخت   جو نہ دے ہم کو کپڑے کیا ہے رخت
رات جو اپنے گھر میں کھنکارے   چور دروازے پر یہ ہنکارے
ہوگی کب تک بچا خبرداری   چور جاتے رہے کہ اندھیاری

صاحب خانہ جو کوئی ہے اب — ہے خبرداری میں وہ روز و شب
آئینہ تک اگر جو دیکھے یار — اپنے گھر میں ہے وہ بھی چوکیدار
بے خطر ڈر سے اب کوئی نہ رہا — اہلِ مے خانہ میں بھی ہے ہورہا
نہ عبادت کو جاگتاہے شیخ — ڈر یہی چور آنہ مارے میخ
خلق جب دیکھ کر کے یہ بیداد — کرتے ہیں کوتوال سے فریاد
بولے ہے وہ کہ میں بھی ہوں ناچار — گرم ہے چوٹٹوں کا اب بازار
کرتے ہین مجھ سے اب بجا کر ڈھول — میری پگڑی کا میرے سر پر مول
یارو کچھ چل سکے ہے میرا زور — دیکھو تو ٹک کہاں کہاں ہے چور
مٹ سکے مجھ غریب سے یہ خلل — ہے امیروں کے گھر میں چور محل
دیکھئے گرتیاں کو بھی بخدا — ہاتھ میں ہے اونہوں کے دزوحنا
کس کو ماروں میں کس کو دوں گا لی — چوری کرنے سے کون ہے خالی
چڑھ کے جب مفسدوں پہ جاتا ہوں — وقت پر میں بھی جی چراتا ہوں
مچ رہا ہے اب اس طرح کا سانگ — ہے خدا کے بھی گھر میں چور کی تھانگ
بچ سکے کیونکہ اب کسی کی شے — ملا مسجد کا صبح خیزیا ہے
کریں انصاف اب جوان و پیر — کیا ہے اس میں بھلا میری تقصیر
رتبہ دزدی کا اس قدر ہے بلند — چرخ کے گھر پہ کہکشاں کی کمند
یہ جو سودا بکے ہے لایعنی — آپ کرتا ہے دزدی معنی

2.7.1 ہجو شیدی فولاد خان کوتوال (متن کی تشریح)

ہجو کوتوال اور تضحیک روزگاران کی مقبول ہجو ہے جو مثنوی کی ہیئت میں لکھی گئی ہے ہجو کوتوال میں سودا کہتے ہیں کہ ہائے وہ زمانہ کیا ہوا جب کہ لیموں بھی اگر کوئی چوری کرتا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا

جاتا تھا، لکڑی بھی کوئی چرالے تو سزا دی جاتی تھی، نہ کوئی چور تھا اور نہ کوتوال کو رشوت سے کوئی کام تھا، لیکن اب صورت حال بدل گئی ہے، چوری ڈاکہ عام ہے، دمڑی کے سودے کے لئے بھی کوئی بازار جائے تو چوری کا یہ حال ہے کہ انسان پگڑی کھوکر سر پیٹتا ہوا گھر کو آتا ہے، یہ اس لئے ہوا کہ شیدی خان شہر کا کوتوال بن گیا ہے، چور اس کی مانتے ہی نہیں، یہ تو چوروں سے رشوت لیتا ہے، یہ تو چور کا بھائی ہے، اس نے گھر کے گھر چوپٹ کر دیئے ہیں، شیدی کوتوال چوروں سے کہتا ہے کہ چوری کے بعد میرا حصہ بھیج دو۔ جیب کترے تو اس کے دوستوں میں ہیں۔ اس کے سارے نوکر چوری کے فن میں طاق نہیں، شیدی خان کے ساتھیوں میں کوئی اچکا ہے تو کوئی اٹھائی گیرا، جس کے گھر کے پیچ یہ جائے گا، اس کے لئے آفت آئیگی، وہ گھر کا پاندان ہی غائب کر دے گا، چور صاحب خانہ کی آنکھوں میں مٹی ڈال کر چوری کرے گا، شیدی کی چوروں پر کوئی گرفت ہی نہیں۔ چور تو شیدی کوتوال کی چیزیں بھی چرانے لگے ہیں۔ اب تو شیدی چوروں سے کہنے لگا ہے کہ جو چیزیں تم چرا کر بازار میں جس قیمت پر فروخت کرتے ہو اس قیمت پر مجھے دیدو، اس پر ایک چور نے کہا میرا ارادہ آپ کی پگڑی چرانے کا ہے مجھے بازار میں اس کے دس روپے ملیں گے کیا آپ دیں گے۔ دوسرے چور نے کہا میری آپ کے دوشالے پر نظر ہے اس کے دام بھی جو مناسب ہو مجھے دیدیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ شیدی کی شہر کے انتظامات پر کوئی توجہ ہی نہیں ہے، یہاں سودا اپنے فن کا کمال دکھاتے ہیں اور مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں، لوگ شہر میں رات بھر چوری کے ڈر سے جاگتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ فتنے بھی چوری کے ڈر سے جاگ رہے ہیں۔ مردے بھی خواب عدم سے چونک گئے ہیں۔ چاند بھی رات بھر اپنی آنکھ کھلی رکھتا ہے، چوروں نے سورج کی دستار گم کر دی ہے۔ شام سے صبح تک یہی شور ہوتا ہے کہ دیکھو چور میری گھڑی لے گیا، صندوق کے مال ہی پر چور کی نظر نہیں، جسم کے کپڑے بھی چرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چوروں کی تو دروازں پر نظر ہے، وہ یہ دیکھتے رہتے ہیں کہ لوگ آخر کب تک اپنے گھروں کی نگرانی کریں گے۔ اب گھر کے مالک ہی گھر کے چوکیدار بن گئے ہیں، وہ ہر وقت گھر کی

نگرانی میں لگے ہیں۔ اب شہر میں کوئی ایسا نہیں جس کو کوئی خطرہ نہ ہو، شراب خانوں میں بھی ہو ہا مچی ہوئی ہے۔ اب تو شیخ صاحب بھی عبادت کے لئے نہیں جاگ رہے ہیں وہ تو چوروں کے ڈر سے جاگ رہے ہیں۔

یہ صورت حال دیکھ کر جب لوگ کوتوال سے فریاد کرتے ہیں تو کوتوال کہتا ہے میں کیا کر سکتا ہوں، چور تو اس قدر ڈھیٹ بن گئے ہیں کہ میری پگڑی پر بھی ان کی نظر ہے، چوری ڈاکہ تو اس قدر عام ہو چکا ہے کہ امیروں کے گھر میں چور محل موجود ہے، مہندی لگائیں تو ہاتھوں میں مہندی چور موجود، کس کو ماروں، کس کو گالی دوں چوری کرنے سے کوئی خالی نہیں، حد تو یہ ہے کہ خدا کے گھر میں بھی چوری کرنے سے لوگ نہیں چوکتے۔۔۔ غرض سودا نے نہایت دلچسپ ہجو لکھی ہے۔ انہوں نے اپنے فن کا کمال دکھا دیا ہے۔

2.8 خلاصہ :

اس اکائی میں ہم نے آپ کو اقبال کی تین نظموں، ترانہء ہندی، ہمالہ اور روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے، سودا کی ہجو شیدی فولاد خاں کوتوال کے متن اور ان کی تشریح سے واقف کرایا، نیز ہجو کی تعریف، شعراء کا تعارف بھی پیش کیا، اغراض و مقاصد اور تمہید کے تحت آپ نے اس اکائی کے خاکے کے سلسلے میں معلومات حاصل کیں، اور شاعروں کے نقطہءنظر اور انکے افکار سے واقفیت حاصل کی۔ اس سے قبل کی اکائی میں آپ نے حمد، نعت، مناجات متن اور اشعار کی تشریح سے بھی واقف ہوئے۔ اور نظموں کا جائزہ لیا۔ آپ نے اس اکائی میں اپنے معلومات کی جانچ بھی کی۔ آخر میں نمونہ امتحانی سوالات بھی دیئے گئے ہیں، فرہنگ کے تحت نئے الفاظ کے معنی بھی ہیں اور سفارشی کتب بھی دی گئی ہیں۔ توقع ہے آپ ان سب سے استفادہ کریں گے۔

اپنی معلومات کی جانچ : نمونہ جوابات :

سوال ا: نظم ہمالہ کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھئے:

سوال ۲: روح ارضی نے آدم کا استقبال کس طرح کیا ؟

سوال ۳: شیدی فولاد خاں کے دور میں شہر کا انتظام کیسے رہا؟

جواب: 2.3.1، 2.5.1، 2.7.1 کے تحت دیکھئے۔

2.9 نمونہ امتحانی سوالات :

ا۔ اقبال کی نظم نگاری پر ایک مضمون لکھئے۔

۲۔ ترانہ ہندی میں اقبال نے کن خیالات کا اظہار کیا ہے؟

۳۔ روح ارضی آدم کو استقبال کرتے ہوئے، کن چیزوں کی طرف توجہ دلاتی ہے؟

۴۔ کسی ایک نظم کا خلاصہ لکھئے:

۵۔ ہجو شیدی فولاد خاں کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھئے۔

2.10 فرہنگ :

لفظ	معنی	لفظ	معنی
کشور	ملک	دیدہ	آنکھ
کلیم	کلام کرنے والا، حضرت موسیٰ کا لقب جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے باتیں کیں		
چشم سیال	بہتا ہوا آئینہ (مراد پانی)	برگ	پتہ
مسکن	رہنے کی جگہ	پربت	پہاڑ
محرم	جاننے والا	پنہاں	پوشیدہ
دزد	چور	دیرینہ روزی	قدامت، پرانا پن
طور	پہاڑ کا نام، جہاں حضرت موسیٰ کو خدائے پاک کا جلوہ دکھائی دیا		

فضیلت	بزرگی	کلاہ	ٹوپی
راہوا	گھوڑا	فراز	بلندی
گاہ	کبھی	بیر	دشمنی، عداوت
بیم ودرجا	خوف اور امید	راکب	سوار
خلق	مخلوق	اچکا	جھپٹ کر لے جانے والا چور
مفسد	فساد برپا کرنے والا	گشت	پھیری
مشخص	تشخیص کیا ہوا، تجویز کیا ہوا	روزمحشر	قیامت کے دن
حنا	مہندی	مآل	انجام
قال وقیل	بحث ومباحثہ	رزم	لڑائی
چرخ	آسمان	پنہائے فلک	آسمان کی وسعتیں

2.11 سفارشی کتب :

۱۔آل احمد سرور — دانشور اقبال

۲۔خلیفہ عبدالحکیم — فکر اقبال

۳۔رفیع الدین ہاشمی — اقبال بحیثیت شاعر

۴۔نورالحسن نقوی — اقبال، شاعر ومفکر

۵۔کلیات سودا — محمد حسن

۶۔سودا — شیخ چاند

ڈاکٹر رفعت النساء بیگم

پروفیسر شعبہء اردو، میسور یونیورسٹی، میسور

اکائی ۳۔ غزلیات اور ان کی تشریح:(سراجؔ، میرؔ، غالبؔ)

ساخت:

3.0 اغراض ومقاصد
3.1 تمہید
3.2 غزل کی تعریف
3.2.1 سراج کا تعارف
3.3 سراج کی غزل ا۔(متن)
3.3.1 سراج کی غزل ا۔(تشریح)
3.4 سراج کی غزل ۲(متن)
3.4.1 سراج کی غزل ۲(تشریح)
3.5 میر کا تعارف
3.6 میر کی غزل ا(متن)
3.6.1 میر کی غزل ا(تشریح)
3.7 میر کی غزل ۲(متن)
3.7.1 میر کی غزل ۲(تشریح)
3.8 میر کی غزل ۳(متن)
3.8.1 میر کی غزل ۳(تشریح)
3.9 غالب کا تعارف
3.10 غالب کی غزل ا(متن)
3.10.1 غالب کی غزل ا(تشریح)

3.11 غالب کی غزل۲(متن)
3.11.1 غالب کی غزل۲(متن)
3.12 غالب کی غزل۳(متن)
3.12.1 غالب کی غزل۳(تشریح)
3.13 خلاصہ
3.14 نمونہ امتحانی سوالات
3.15 فرہنگ
3.16 سفارشی کتب

3.0 اغراض و مقاصد

اس اکائی کو مکمل کر لینے کے بعد اس قابل ہو جائیں گے کہ سراج اورنگ آبادی، میر تقی میرؔ، اور غالبؔ کی غزلیں سمجھیں اور ان کے متن کی تشریح کر سکیں اور مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کر سکیں۔

3.1 تمہید :

اس اکائی میں سراجؔ اورنگ آبادی کی دو، میرؔ کی تین اور غالبؔ کی تین غزلیں لی گئی ہیں، ان میں سے ہر غزل کی تشریح بھی کی جائیگی۔ آپ ان شاعروں کے مزاج کو جان سکیں گے۔ ان غزلوں کے مطالعہ سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ان شاعروں نے کس عمدگی کے ساتھ اپنے اشعار میں زندگی و سماج کے مسائل کو ڈھالا ہے۔

3.2 غزل کی تعریف :

اردو شاعری کی اہم صنف ہے، غزل اپنی ریزہ کاری اور اختصار کے باوجود بڑی جامع صنف

ہے، فارسی اور عربی میں قصیدہ کے جز وتشبیب کی صورت میں حسن وعشق کے موضوع قلم بند ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ ترقی پاکراس کی حیثیت الگ صنف سخن کی ہوگئی اور غزل کہلائی جانے لگی، غزل عربی لفظ ہے۔ غزل کے معنی عورتوں سے باتیں کرنا، لیکن ادبی اصطلاح میں غزل وصنف شاعری ہے جس میں حسن وعشق کا ذکر ہو۔ بعد میں ترمیم یہ ہوئی کہ عشقیہ موضوعات کے علاوہ تصوف اخلاق فلسفہ ءحیات مظاہر فطرت کے مضامین بھی پیش کئے گئے۔

اس صنف کو غزل کا نام اس لئے دیا گیا تھا کہ حسن وعشق ہی اس کا موضوع ہوتا تھا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے موضوعات میں وسعت پیدا ہوتی گئی، اور آج غزل ہر طرح کے مضامین پیش کرنے کی گنجائش ہے۔ غزل کی ابتداء عربی میں ہوئی، یہاں سے یہ ایران پہنچی اور فارسی میں اس نے بہت ترقی کی۔ فارسی ادب کے راستے یہ اردو میں داخل ہوئی اور خاص وعام میں مقبول ہوگئی۔

غزل کے پہلے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں، اسے مطلع کہا جاتا ہے، کبھی کبھی دوسرا شعر بھی پہلے جیسا ہوتا ہے، اسے حسن مطلع یا مطلع ثانی کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد کے اشعار میں دوسرا مصرع مطلع کا ہم قافیہ ہوتا ہے، قافیہ کے ساتھ ردیف لائی جاتی ہے، یعنی ایسے الفاظ یا افعال جن کی ہر شعر میں تکرار ہوتی ہے، غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے، اسے مقطع کہا جاتا ہے، غزل کا اچھا شعر شاہ بیت یا بیت الغزل ہوتا ہے، ہر شعر اپنے اندر ایک اکائی ایک وحدت رکھتا ہے، اور خیال ایک دوسرے سے مختلف اور جداگانہ ہوتا ہے، بحر، وزن، قافیہ، ردیف ایک سے ہوتے ہیں۔

3.2.1 سراج کا تعارف : (1714 - 1764)ء

سراج الدین نام، سراجؔ تخلص تھا، اورنگ آباد میں پیدا ہوئے وہیں تعلیم وتربیت پائی۔ پہلے فارسی میں پھر ریختہ میں شعر کہنے لگے۔ ان کے پیر بھائی عبدالرسول خان نے ان کا دیوان مرتب کیا جو

پانچ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ کہتے ہیں کہ ولی کے بعد اس پائے کا شاعر نہیں، ہوا۔ منتخب " دیوان ہا " کے عنوان سے متقدمین اور معاصرین شعراء کے فارسی کلام کا ایک عمدہ انتخاب ہے۔ ریختہ کا دیوان بھی ان سے یادگار ہے، ایک مثنوی بوستانِ خیال بھی ملتی ہے۔

خوش فکر سنجیدہ مزاج اور صاحب دل تھے، زبان میں لطافت و پاکیزگی ہے، بیان میں حسن و دلکشی ہے، کلام ایہام گوئی اور ذو معنی الفاظ سے پاک وصاف ہے۔ سیدھے سادے بیانیہ انداز میں شاعری ہے، اکثر غزلوں میں حسن و عشق کے کرشمے اور بعض میں توحید و معرفت کے نقشے پیش کئے ہیں، کلام میں صفائی اور سادگی موجود ہے۔

3.3. سراج کی غزل ۱ (متن)

خبر تحیرِ عشق حسنِ نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ وہ تو رہا نہ میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی

شہ بے خودی نے عطا کیا مجھے اب لباس برہنگی
نہ خودی کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی

چلی سمتِ غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخ نہالِ غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

نظر تغافل یار کا گلہ کس زبان سے بیاں کروں
کہ شرابِ حسرتِ آرزوِ خم دل میں تھی سو بھری رہی

وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخہء عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاقِ پر جو دھری تھی سو وہ دھری رہی

ترے جوش حیرتِ حسن کا اثر اس قدر ہے یہاں ہوا
کہ نہ آئینہ میں جلا رہی نہ پری میں جلوہ گری رہی

کیا خاک آتش عشق نے دل بے نوائے سراج کو
نہ خطر رہا نہ حذر رہا، جو رہی سو بے خبری رہی

3.3.1 سراج کی غزل ۱ (متن کی تشریح)

ا۔ یہ سراج ہی کی مشہور غزل نہیں، اردو کی بھی منتخب غزلوں میں شمار ہوتی ہے، سراج مطلع میں کہتے ہیں کہ عشق کے حیرت میں آنے کی بات سن کہ اب نہ دیوانگی کی کیفیت ہے اور نہ کسی پری کی بات۔ نہ تو عشق اپنے میں ہے اور نہ حسن، بس ایک بے خبری کا عالم ہے۔

۲۔ بے خودی کی وجہ سے یہ کیفیت ہے کہ ہر لباس کو چھوڑ کر برہنگی کو اپنا لیا ہے، اب نہ عالم خودی میں بخیے ادھیڑنا ہے، اور نہ عالم دیوانگی میں پردہ داری کرنا ہے۔

۳۔ نہ جانے کیا ہوا؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہیں غیب سے ایک ہوا چلی اور سرور کیف کا چمن جل گیا، مگر دل جو غم کی آماجگاہ بنا تھا، آماجگاہ بنا رہا، یہاں سراج نے دل کو شاخِ نہال غم قرار دے کر شعر کے حسن کو فزوں کر دیا ہے۔

۴۔ محبوب کی اس بے توجہی کا گلہ کس سے کروں، میرے دل میں ایک تمنا حسرت سی تھی کہ محبوب کا دیدار ہو، مگر یہ آرزو آرزو ہی رہ گئی۔

۵۔ نہ جانے وہ کونسا وقت تھا کہ میں نے عشق کا سبق لیا۔ عقل کی کتاب جو طاق پر رکھی تھی وہیں رہی۔ مجھے عقل سے سروکار نہ رہا، میں عشق کا ہو کر رہ گیا۔

۶۔ محبوب کی حیرت کا کمال یہ ہے کہ ہر شئے بے رنگ ہو گئی ہے، آئینہ میں چمک ہے نہ پری میں جلوہ گری۔

۷۔ عشق کی آگ نے سراج کے دل بے نوا کو خاک کر کے رکھ دیا، اب نہ کوئی ڈر ہے، اور نہ اندیشہ بس ایک بے خبری کی کیفیت ہے۔

3.4 سراج کی غزل ۲ (متن)

کوئی ہمارے درد کا محرم نہیں — آشنا نہیں، دوست نہیں، ہمدم نہیں
عالم دیوانگی کیا خوب ہے — بے کسی کا وہاں کسی کوں غم نہیں
خوف نہیں تیر تغافل سیں ترے — دل ہمارا بھی سپر سیں کم نہیں
شربت دیدار کا ہوں تشنہ لب — آرزوئے چشمہء زمزم نہیں
اشک بلبل سے چمن لبریز ہے — برگِ گل پر قطرہء شبنم نہیں
کون سی شب ہے کہ مہر و بن سراجؔ — درد کے آنسو سیں دامن تم نہیں

3.4.1 سراج کی غزل ۲ (متن کی تشریح)

۱۔ سراج کہتے ہیں کہ کوئی ہمارے دکھ درد کو جاننے والا نہیں، کوئی دوست، کوئی ہمدم اور کوئی آشنا نہیں جو ہمارے رنج وغم اور پریشانیوں کو جانتا ہو۔

۲۔ دیوانگی کی حالت بھی عجیب ہے، ہر ایک بےکس و بےبس ہے، کوئی کسی کا غم کرنے والا نہیں۔

۳۔ دوست جو ہم سے تغافل سے پیش آتا ہے، اور ہم کو نظر انداز کر دیتا ہے، اب اس کا غم نہیں کہ ہمارا دل بھی سپر ہے، اس کے تغافل کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہے۔

۴۔ سراج کہتے ہیں کہ میں تو اب ذاتِ الٰہی کا جلوہ دیکھنا چاہتا ہوں، مجھے شربت دیدار چاہئے مجھے چشمہ زم زم کی آرزو نہیں۔

۵۔ یہ جو پھول کی پتیوں پر شبنم کے قطرے ہیں شاعر کہتا ہے پر یہ شبنم کے قطرے نہیں بلبل کے آنسو ہیں، جن سے سارا چمن بھر گیا ہے۔

۶۔ سراج کہتے ہیں کہ ہم تو روز ہی روتے ہیں، کوئی رات ایسی نہیں ہوئی کہ درد کے آنسوؤں سے ہمارا دامن نم نہ ہوتا ہو۔

3.5 میر کا تعارف : (1810-1724)ء

نام میر محمد تقی اور تخلص میر تھا، اکبر آباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے، ان کے والد کا نام میر عبداللہ عرف علی متقی تھا، صوفی منش اور درویش صفت بزرگ تھے۔ دس سال کی عمر میں والد کے انتقال کے بعد دہلی آئے، اپنے سوتیلے بھائی کے خالو سراج الدین علی خان آرزو کے یہاں ٹھہرے، دلی کے اجڑنے اور بسنے کی کیفیت اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ بیزار ہو کر لکھنوء چلے آئے۔ ایک عرصے تک یہیں رہے۔ آصف الدولہ کے دربار میں خوب وبائی تھی۔ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، انہوں نے ان کا وظیفہ بھی مقرر کر دیا تھا۔ یہاں آنے کے بعد ان کی زندگی نہایت فراغت اور خوشحالی کے ساتھ بسر ہوئی اور آخر کار 1810ء میں یہیں فوت ہوئے۔

میر کو خدائے سخن کہا جاتا ہے، بڑے شاعر جیسے ذوق، غالب، مومن، حسرت وغیرہ نے انکی استادی کا اعتراف کیا اور خراج تحسین عطا کیا وہ بڑے پر گو اور قادر الکلام شاعر تھے، اور ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ مگر غزل ان کا خاص میدان ہے، ان کی غزل ان کی زندگی اور ان کے عہد کا مرقع ہے، انہوں نے اپنی زندگی اور اپنے ماحول کا تمام درد وغم اپنی غزلوں میں سمو دیا ہے، ان کے اشعار میں جو سوز وگداز اور اثر و تاثیر ہے، وہ کسی دوسرے شاعر کے یہاں مفقود ہے۔

ان سے یادگار تخلیقات میں چھے دیوان اردو غزلیات پر مشتمل ہیں، بے شمار مثنویاں جن میں اجگر نامہ، شعلہ عشق، جھوٹ شہر آشوب، دنیا، خواب وخیال، معاملات عشق وغیرہ مشہور ہیں، فارسی میں بھی ایک دیوان ہے، نثر میں ذکر میر (خودنوشت سوانح) فیض میر اور نکات الشعراء (تذکرہ) ہیں۔

3.6 میر کی غزل ۱ (متن)

گل کو محبوب میں قیاس کیا فرق نکال بہت جو یاس کیا
دل نے ہم کو مثالِ آئینہ ایک عالم کا روشناس کیا
کچھ نہیں سوجھتا ہمیں اس بن شوق نے ہم کو بے حواس کیا
صبح تک شمع سر کو دھنتی رہی کیا پتنگے نے التماس کیا
ایسے وحشی کہاں ہیں اے خوباں میرؔ کو تم عبث اداس کیا

3.6.1 میر کی غزل ۱ (متن کی تشریح)

۱۔ شاعر کہتا ہے کہ گل کو میں نے محبوب سمجھا لیکن پھول کہاں اور محبوب کہاں؟ ان دونوں میں محبوب کا فرق ہے، محبوب کی بو محبوب کی بو ہے۔

۲۔ ہمارا دل ایک آئینہ کی طرح ہے، ایسا آئینہ جس میں ہم ساری دنیا کا حال دیکھ لیتے ہیں۔

۳۔ اپنے عشق میں ہم بے حواس ہو چکے ہیں اور اس عالم بے حواسی میں کوئی بات نہیں سوجھتی۔

۴۔ لوگ کسی سے اچھی بات سن کر سر کو دھنتے ہیں شاعر شمع کی لو کے تھر کنے کو سر کے دھننے سے تشبیہ دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ پروانے نے نہ جانے کیا کہا شمع سر کو دھن رہی ہے۔

۵۔ ہم ایسے وحشی اور دیوانے کہاں؟ محبوب نے میرؔ کو وحشی کہہ کر بلا وجہ اداس کر دیا۔

3.7 میر کی غزل ۲ (متن)

قتل کئے پر غصہ کیا ہے لاش میری اٹھوانے دو — جاں سے بھی ہم جاتے رہے تم بھی آؤ جانے دو

اب کے بہت ہی شور بہاراں ہم کو مت زنجیر کرو — دل کی ہوس ٹک ہم بھی نکالیں دھومیں ہم کو مچانے دو

عرصہ کتنا سارے جہاں کا وحشت پر جو آجائیں — پاؤں تو ہم پھیلائیں گے پر فرصت ہم کو پانے دو

ضعف بہت ہے میرؔ تمہیں کچھ اس کی گلی میں مت جاؤ — صبر کرو ٹک اور بھی صاحب طاقت جی میں آنے دو

بات بنانا مشکل سا ہے شعر سبھی یاں کہتے ہیں — فکر بلند ہے یاروں کو اک ایسی غزل کہہ لانے دو

یہ سرا سونے کی جاگہ نہیں بیدار ہو — ہم نے کردی ہے خبر تم کو خبردار رہو

لاگ اگر دل کو نہیں، لطف نہیں جینے کا — الجھے سلجھے کسو کا کل کے گرفتار رہو

3.7.1 میرؔ کی غزل (متن کی تشریح)

۱۔ محبوب نے انے عاشق (شاعر) کو قتل کر دیا ور ظلم کی انتہاء یہ ہے کہ لاش اٹھوانے نہیں دیتا، شاعر کہتا ہے جان سے تو ہم جاتے رہے اب تم ہمارے جنازے کو بھی جانے دو۔

۲۔ میر کہتے ہیں ، اس بار بہاروں کا بڑا شہرہ ہے، اس اندیشے سے ہم کو زنجیریں مت پہناؤ کہ ہم دیوانے ہو جائیں گے، ہم کو چھوڑ دو کہ ہم اپنے دل کی ہوس نکالیں اور جی بھر کر دھوم مچائیں۔

۳۔ ہم دیوانگی پر آجائیں تو دنیا کی کوئی حقیقت نہیں، مہر کو ذرا فرصت تو ملنے دو، ہم پاؤں تو پھیلائیں۔

۴۔ میر اپنے آپ سے کہتے ہیں کہ ابھی اس کی گلی میں مت جاؤ، کیونکہ وہاں نڈھال نہ ہو جائیں کچھ صبر کر واور دل میں طاقت آئے اس کی گلی میں مت جانا۔

۵۔ یہاں میر شاعرانہ انداز سے کام لیتے ہیں اور یہ میر کی شاعرانہ تعلی ہے کہ، سب لوگ تو شعر کہتے

ہیں کہ بات بنانا مشکل ہے، میرؔ کی طرح کوئی غزل کہہ دیں، یعنی مطلب یہ ہے کہ اور لوگ شاعری تو کر لیتے ہیں، لیکن میر کی طرح کوئی غزل نہیں کہہ سکتا۔

۶۔ یہ سرا (گھر) تمہارے رہنے کے قابل نہیں ہے، تم ہوشیار رہنا ہم نے تمہیں خبردار کر دیا ہے تمہیں اطلاع دے دی ہے کہ یہ گھر تمہارے قیام کے لائق نہیں ہے۔

۷: دل اگر تمہارا لگتا نہیں یعنی تمہیں اطمینان نہ ہو تو لطف نہیں آئیگا، یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کسی محبوب کے الجھے گیسو میں گرفتار ہوں اور اسے سلجھا رہے ہوں۔

3.8 میر کی غزل ۳ (متن)

فقیرانہ آئے صدا کر چلے میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لئے ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے
کوئی نا امیدانہ کرکے نگاہ سو تم ہم سے منہ بھی چھپا کر چلے
دکھائی دیئے یوں کہ بے خود کیا ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے
جبیں سجدے کرتے ہی کرتے گئی حق بندگی ہم ادا کر چلے
پرستش کی یاں تک کہ اے بت تجھے نظر میں سبھوں کی خدا کر چلے
گئی عمر در بند فکر غزل سو اس فن کو ایسا بڑا کر چلے
کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

3.8.1 میر کی غزل ۳ (تشریح)

۱۔ ہم تو فقیروں کی طرح زندگی گذار رہے ہیں، ہم صدا دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ لوگ خوش رہیں۔

۲۔ لوگ دنیا سے چلے جاتے ہیں نہ جانے وہ کیا چیز ہے جس کے لئے دنیا جیسی دلکش جگہ چھوڑ جاتے ہیں۔

۳۔ محبوب کا عالم یہ ہے کہ میر کی طرح ایک نا امیدانہ لگاؤ کرتا ہے، اور منہ بھی نہیں دکھاتا، چھپا کر چلا جاتا ہے۔

۴۔ کسی کا جلوہ ایسے لگتا تھا کہ ہمیں بے خود کردے گا مگر یہ تو ہمیں اپنے محبوب سے ہی جدا کر گیا۔
۵۔ ہم ہمیشہ سجدہ ریز رہے، سجدے ہی سجدے کرتے گئے اور اس طرح ہم نے بندگی کا حق ادا کر دیا۔
۶۔ ہم نے بتوں کی پرستش کی اور اس قدر پرستش کہ لوگ بت کو خدا سمجھنے لگے۔
۷۔ ہم نے عمر بھر غزل کہی، غزل گوئی کے لئے خود کو وقف کر دیا، اور اس فن کی عظمت میں اضافہ کیا۔
۸۔ ہم دنیا میں آئے لیکن کوئی ایسا نمایاں کام نہیں کیا، کوئی اگر پوچھے تو ہم کیا جواب دیں گے، دنیا میں کیا کرنے آئے تھے اور یہاں کیا کر کے گئے۔

3.9 غالب کا تعارف : (1796-1869)

مرزا اسد اللہ خان غالب نام، مرزا نوشہ عرفیت نجم الدولہ دبیر الملک خطاب تھا، نام کی مناسبت سے اسد اور غالب تخلص اختیار کیا تھا، آگرہ میں پیدا ہوئے۔ آبائی پیشہ فن سپہ گری تھا، کم سنی میں والدین فوت ہو گئے، چچا نے سرپرستی کی مگر شومیٔ قسمت وہ بھی چل بسے، سلسلہ نسب شاہانِ ایران وتواران سے ملتا ہے، لڑکپن میں دہلی آ گئے اور وہیں کے ہو رہے۔ دہلی کے شاعرانہ ماحول میں آپ کے ذوقِ سخن کا ارتقاء ہوا۔ نظیر اکبر آبادی اور شیخ معظم سے ابتدائی تعلیم پائی، شاہان، تیموری کی تاریخ لکھنے پر مامور ہوئے۔ انگریزی حکومت سے خاندانی پنشن ملتی رہی۔ لکھنو رامپور وغیرہ کے درباروں سے کبھی وظیفہ ملتا رہا۔ پہلی جنگ آزادی میں آپ دہلی میں ہی رہے اور سب واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ ذوق کے بعد ظفر نے آپ کو ملک الشعراء بنالیا۔ اور نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ خطابات سے نوازا۔ غدر کے بعد کافی مشکلات آن پڑیں اور دہلی میں وفات پائی، غالب کو دہلی کی شاعرانہ فضا نے خوب نکھارا، اس لحاظ سے غالب غزل میں اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ابتداء میں بیدل کے طرز پر دقیق اشعار کہتے تھے، رفتہ رفتہ سادگی اختیار کی، معنی آفرینی اور بلند خیالی کا خاص خیال رکھتے تھے، غالب کا مشاہدہ تیز اور تجربہ وسیع تھا، یہ زندگی کے نباض تھے، تخیل کی پرواز بہت تھی، فلسفیانہ نکات اور تصوف کے معاملات کو بڑی خوبی سے پیش کیا ہے، اردو شاعری کا ایک بیش بہا خزانہ

ان کی شاعری میں ملتا ہے، دلکش انداز بیان، تشبیہات کی ندرت اور شوخی نے ان کے کلام کو زینت بخشی، ان کا کلام قاری کو چونکا دیتا ہے، آج غالب کا نام صف اول کے شعراء میں سر فہرست ہے۔
غالب بیک وقت فارسی و اردو دونوں کے عظیم شاعر و نثر نگار تھے، فارسی میں پنج آہنگ، مہر نیم روز، دستنبو، قاطع برہان، درفش کاویانی، کلیات فارسی وغیرہ اور اردو شاعری میں دیوان اور نثر میں عود ہندی، اردوئے معلیٰ، مکاتیب غالب قادر نامہ نکات غالب رقعات غالب وغیرہ۔

3.10 غالب کی غزل ۱ (متن)

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک	کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک
دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ	دیکھیں کیا گذرے ہے قطرہ پہ گہر ہونے تک
عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب	دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک
ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن	خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک
پر تو خورشید سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم	میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک
ایک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل	گرمئی بزم ہے یک رقص شرر ہونے تک
غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج	شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

3.10.1 غالب کی غزل ۱ (تشریح)

۱۔ آہ میں فوراً اثر پیدا نہیں ہوتا، اثر پیدا ہونے کے لئے ایک عمر درکار ہوتی ہے، اور زلف کے سر ہونے تک بھی جینا مشکل ہے، مطلب یہ کہ عاشق کی آہ معشوق کے دل میں اثر تو کرتی ہے، مگر اسکے لئے ایک مدت درکار ہے
۲۔ پانی کا قطرہ آسانی سے موتی نہیں بنتا کیونکہ موج نے اپنا جال پھیلا رکھا ہے۔ مطلب یہ کہ انسان کو درجہ کمال تک پہنچنے کے لئے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔
۳۔ عشق میں کامیابی فوراً نہیں ہوتی، صبر کرنا پڑتا ہے، لیکن تمنا چاہتی ہے، کہ ہر چیز فوراً مل جائے،

خون جگر ہونے تک دل کو کیسے سمجھائیں۔

۴۔ ہم جانتے ہیں محبوب ہم سے تغافل نہیں کرے گا لیکن وہ کب غفلت سے باز آئیگا، کیونکہ ایسا محسوس ہوتا ہے اس کے خبر ہونے تک ہم خاک ہو جائیں گے۔

۵۔ سورج کی کرنیں پڑتے ہی شبنم فنا ہو جاتی ہے، بس یہی اس کی زندگی کی حقیقت ہے، میرا بھی یہی عالم ہے، میں بھی اپنے محبوب کی عنایت کی ایک نظر ہونے تک ہوں۔

۶۔ ہم زندگی کی مدتِ زیادہ سمجھتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے ہماری زندگی بس ایک نظر کی طرح مختصر ہے، محفل کی گرمی اور شور بھی، چنگاریوں کے رقص تک محدود ہے۔

۷۔ غموں کا کوئی علاج نہیں، غم تو زندگی کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، موت ہی اس کا علاج ہے، موت کے بعد ہی غم سے چھٹکارا ہوگا، جس طرح شمع کو بہر کیف سحر تک جلنا ہے، ہم کو بھی مرنے تک غموں کو سہنا ہے۔

3.11 غالب کی غزل ۲ (متن)

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں — مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں — ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں!

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار — اے کاش جانتا نہ تری رہ گذر کو میں

ہے کیا جو کس کے باندھوگے میری بلا ڈرے — کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ، یہ بے ننگ وہ نام ہے — یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ — پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار — کیا پوجتا ہوں اس بت بیداد گر کو میں

پھر بے خودی میں بھول گیا راہ کوئے یار — جاتا وگر نہ ایک دن اپنی خبر کو میں

اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل دہر کا — سمجھا ہوں دلپذیر متاع ہنر کو میں

غالب خدا کرے کہ سوارِ سمندِ ناز — دیکھوں علی بہادر عالی گہر کو میں

3.11.1 غالب کی غزل ۲ (تشریح)

۱۔ شاعر کہتا ہے کہ ہمارا دل اور جگر دونوں غم زدہ ہیں، سمجھ میں نہیں آتا، دل کو سنبھالوں یا جگر کا خیال کروں، سوچتا ہوں اگر اتنی گنجائش ہوتو ایک ماتم کرنے والے کو اپنے ساتھ رکھوں اگر میں دل کو روتا رہوں تو نوحہ گر جگر کا حال دیکھتے۔

۲۔ میں رشک کے باعث تیرے گھر کا نام لینا بھی گوارا نہیں کرتا، بس ہر ایک سے یہی پوچھتا ہوں کہ میں کدھر جاؤں، یہ تو لوگوں کو سمجھنا چاہئے پر میں تیرا عاشق ہوں اور تیرے گھر کی طرف جانا چاہتا ہوں۔

۳۔ کون چاہے گا کہ رقیب کے در پر جائے لیکن ہوا یہ ہے کہ رقیب کا گھر، محبوب کے گھر کے راستے میں ہے اور محبوب کے ہاں جانے کے لئے رقیب کے گھر سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے، عاشق تنگ آ کر کہتا ہے کہ کاش میں تیرے گھر کے راستے کو نہیں جانتا۔ ایسی صورت میں رقیب کے در سے بھی گزرنا نہیں پڑتا۔

۴: کہتے ہیں محبوب کی کمر نہیں ہوتی، محبوب کہتا ہے وہ کمر کس کر آئیگا، غالب کہتے ہیں ہم کو معلوم ہے محبوب کے کمر ہی نہیں ہے وہ کیا کس کر آئیگا۔

۵۔ ہم نے محبوب کے لئے گھر لٹا دیا، اب کچھ نہیں لیکن سانحہ یہ ہے کہ ہم نے جن کے لئے گھر لٹا دیا، وہی ہم کو طعنہ دے رہے ہیں کہ ہم بے ننگ و نام ہیں، اس کا صلہ یہ ملا کہ غالب ذلیل خوار شخص ہے قربانی کا نتیجہ یہ ہوتا تو میں ہرگز اپنے گھر کو نہ لٹاتا میں برباد نہ ہوتا۔

۶۔ میں ابھی اپنے رہبر کو نہیں پہچانتا، اس لئے ہر راہ رہ کے ساتھ تھوڑی دور چلتا ہوں، پتہ نہیں ان میں کون رہبر نکلے اور مجھے منزل تک پہنچائے۔

۷۔ میں اپنے محبوب بیدادگر (ستم کرنے والے) کی پرستش نہیں کرتا۔ لوگوں نے میری خواہش کو پرستش قرار دیا ہے، یہ غلط ہے۔

۸۔ بے خودی کا یہ عالم ہے کہ میں اپنے محبوب کے کوچے کے راستے کو بھول گیا ورنہ ایک دن مجھے اپنی خبر آپ ہو جاتی۔ یعنی مجھ پر عالم بے خودی طاری ہے اسلئے کوئے یار کا راستہ یاد نہیں اگر راستہ یاد آ جاتا

تو میں اپنی خبر لینے وہاں ضرور جاتا۔

۹۔ میں اپنے آپ کو اہل دہر سمجھنے لگا ہوں، اور اپنے ہنر کی دولت کو دل پذیر چیز سمجھتا ہوں۔ اسلئے قدرتی طور پر یہ قیاس کرتا ہوں کہ اہل دہر بھی میری طرح اسکے قدرداں ہونگے لیکن افسوس کہ میرا یہ خیال غلط نکلا دینا والوں کی نظر میں شاعری متاع دلپذیر نہیں ہے۔

۱۰۔ غالب کہتے ہیں کہ خدا کرے میں علی بہادر عالی گہر کو ناز کے گھوڑے پر سوار دیکھوں، مراد یہ ہے کہ انہیں نماز اور معتبر دیکھوں۔ یعنی سمند ناز سے وہ گھوڑا مراد ہے جو بڑے ناز و انداز سے چلے یہ شعر غالبؔ نے آرزوئے دید نعلبند علی بہادر خیال کیا ہے۔

3.12. غالب کی غزل ۳ (متن)

ابن مریم ہوا کرے کوئی — میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
شرع و آئین پر مدار سہی — ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی
چال جیسے کڑی کماں کا تیر — دل میں ایسے کے جا کرے کوئی
بات پر واں زباں کٹتی ہے — وہ کہیں اور سنا کرے کوئی
بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ — کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
نہ سنو گر برا کہے کوئی — نہ کہو گر برا کرے کوئی
روک لو گر غلط چلے کوئی — بخش دو گر خطا کرے کوئی
کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند — کس کی حاجت روا کرے کوئی
کیا کیا خضر نے سکندر سے — اب کسے رہ نما کرے کوئی
جب توقع ہی اٹھ گئی غالبؔ — کیوں کسی کا گلا کرے کوئی

3.12.1 غالب کی غزل ۳ (متن کی تشریح)

۱۔ ابن مریم یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو جلایا کرتے تھے، شاعر کہتا ہے کہ کوئی اگر ابن مریم ہے تو اس سے ہمیں کیا، ہمارے لئے تو ابن مریم وہی ہے جو ہمارے دکھ درد کا علاج کرے۔

۲: جو شرع اور قانون کی بات کرتا ہے ایسے قاتل سے نباہنا مشکل ہے۔ یعنی شریعت اور قانون ملکی دونوں میں قاتل کے لئے سزا مقرر ہے، مگر اس شخص کی گرفت کیسے ہو سکتی ہے جو بے تلوار کے قتل کرتا ہے۔

۳۔ محبوب کی چال تیز، تیڑھی اور رواں ہے، ایسے محبوب کے دل میں جگہ پانے سے کیا حاصل۔

۴۔ محبوب چاہتا ہے کہ وہ کہتا رہے اور لوگ صرف اس کو سنتے رہیں، کوئی اور باتیں ہوں تو اس کی زبان کاٹ دی جاتی ہے۔، مطلب یہ کہ خدا کرے وہ میری بات سمجھ جائیں اور میرے حال زار پر نگاہِ کرم فرمائیں، دوسرا مطلب یہ ہے کہ خدا کرے کوئی شخص کچھ نہ سمجھ سکے تا کہ راز عشق فاش نہ ہو۔

۵۔ غالب کہتے ہیں کہ میں نے پتہ نہیں عالم دیوانگی میں کیا کیا کہہ دیا، خدا کرے کہ لوگ میری بات نہ سمجھیں اور بکواس قرار دیں۔ ورنہ کون جانے کون کیا مطلب نکالے۔

۶۔ یہ اخلاقی اور نصیحت آمیز اشعار ہیں، کہتے ہیں کہ کوئی برا کہے تو سنو مت، اور برا کیے تو کہو مت۔

۷۔ کوئی غلط چلے تو روک لو اور کوئی غلطی کرے تو معاف کر دو۔

۸۔ دنیا میں کون ضرورت مند نہیں ہے، ہم کس کس کی ضرورت پوری کریں گے، مطلب یہ ہے کہ ہم سب کی ضرورتیں پوری نہیں کر سکتے۔

۹۔ سکندر اعظم نے خضر کو رہنما بنایا، لیکن کچھ نہ ہوا، سکندر، کا انجام دیکھتے ہوئے، اب کون کسی کو اپنا رہنما بنائیگا۔ اس شعر میں تلمیح ہے۔

۱۰۔ گلہ اور شکوہ شکایت اس وقت کریں جب کسی کو کسی سے کوئی توقع ہو، کسی مدد کی امید ہو، جب توقع ہی نہ ہو تو گلہ کرنے سے حاصل کچھ نہ ہوگا۔ اس شعر کا بنیادی تصور تلقین خودداری ہے، گلہ توقع پر مبنی ہے جب توقع ہی نہ ہو تو گلہ اور شکایت بے کاری بات ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ : نمونہ جوابات :

سوال ا۔:سراج کی پہلی غزل کے کسی تین اشعار کا مطلب لکھئے :۔

سوال ۲:میر کے حالات زندگی پر روشنی ڈالئے۔

سوال ۳:غالب کی دوسری غزل سے اپنے پسندیدہ اشعار کا مطلب لکھئے :

جوابات:3.3.1،3.5.2، 3.11.1 میں دیکھئے۔

3.13 خلاصہ :

اس اکائی میں ہم نے آپ کو غزل کی تعریف ،سراج اورنگ آبادی، کی دو،میر کی تین ، غالب کی تین غزلوں اوران کی تشریحیں نیز ان شعرا کی غزلوں سے واقف کرایا،اغراض ومقاصد اور تمہید کے تحت آپ نے اس اکائی کے خاکے کے سلسلے میں معلومات حاصل کیں۔آپ کے علم میں آچکا ہے کہ ان غزلوں میں شاعروں نے کن جذبات کا اظہار کیا ہے۔اس اکائی سے قبل کی اکائیوں میں آپ نے مختلف نظموں اوران کی تشریح کا مطالعہ کیا، یہ اکائی بھی اسی نوعیت کی ہے،اس کے علاوہ آپ نے اس اکائی میں اپنے معلومات کی جانچ بھی کی ،آخر میں نمونہء امتحانی سوالات بھی دیے گئے ہیں،فرہنگ کے تحت نئے الفاظ کے معنی بھی اور سفارشی کتب کا حوالہ بھی دیا گیا ہے،توقع ہے آپ ان سب سے استفادہ کریں گے۔

3.14 نمونہ امتحانی سوالات :

ا۔سراج کی غزل کے بارے میں اپنے خیالات پیش کیجئے:

۲۔میر کے کوئی پانچ اشعار کا خلاصہ لکھئے۔

۳۔غالب کی کسی ایک غزل کے چار اشعار کے معنی لکھئے۔

۴۔سراج کا تعارف پیش کیجئے۔

۵۔غالب کی غزل گوئی کی خصوصیات رقم کیجئے۔

۶۔غالب کا تعارف پیش کیجئے۔

3.15 فرہنگ :

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
تحیر	حیرت	جنوں	دیوانگی
نہال	تازہ لگایا ہوا پودا	برہنگی	عریانیت
تغافل	غفلت	درس	سبق
خطر	خطرہ	حذر	احتیاط
محرم	جاننے والا	نم	بھیگا ہوا
برگ	پتہ	ٹک	ذرا
قیاس	اندازہ	جبیں	پیشانی
صدا	آواز	نہنگ	مگرمچھ
دام	جال	بیش	زیادہ
خور	خورشید، سورج	جُز	سوائے
بیدادگر	ظالم، ستمگر	متاع	دولت
حاجت	ضرورت	سمند	گھوڑا
مرگ	موت	رقص	ناچ
تشنہء	پیاسا	توقع	امید

3.16 سفارشی کتب :

۱۔ محمد علی اثر — دکنی غزل
۲۔ خواجہ احمد فاروقی — میر تقی میر
۳۔ مجنوں گورکھپوری — غالب
۴۔ میر سے غالب تک — یم حبیب خان
۵۔ اردو غزل — یوسف حسین خان
۶۔ پیغمبران سخن (میر غالب کبیر) — علی سردار جعفری

از : ڈاکٹر رفعت النساء
بیگم : پروفیسر شعبہء
اردو، میسور یونیورسٹی،

اکائی ٤ ظفؔر اور جوہؔر کی غزلیں :

ساخت :

4.0 اغراض ومقاصد

4.1 تمہید

4.2 ظفؔر کا تعارف

4.3 ظفر کی غزل ١ (متن)

4.3.1 ظفر کی غزل ١ (تشریح)

4.4 ظفر کی غزل ٢ (متن)

4.4.1 ظفر کی غزل ٢ (تشریح)

4.5 محمد علی جوہر کا تعارف

4.6 محمد علی جوہؔر کی غزل ١ (متن)

4.6.1 محمد علی جوہؔر کی غزل ١ (تشریح)

4.7 محمد علی جوہر کی غزل ٢۔ (متن)

4.7.1 محمد علی جوہر کی غزل ٢ (تشریح)

4.8 خلاصہ

4.9 نمونہ امتحانی سوالات

4.10 فرہنگ

4.11 سفارشی کتب

4.0 اغراض و مقاصد :

اس اکائی کومکمل کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

☆ بہادر شاہ ظفر اور محمد علی جوہر کی مندرجہ غزلوں کا متن پڑھیں اور ان کی تشریح کر سکیں اور ان غزلوں کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کر سکیں۔

4.1 تمہید :

اس اکائی میں بہادر شاہ ظفر اور محمد علی جوہر کی دو، دو غزلیں لی گئی ہیں۔ ہر غزل کی تشریح بھی کی جائیگی، آپ متعلقہ شاعر کے حالات زندگی اور ان کے مزاج کو جان سکیں گے۔ ان غزلوں کو پڑھنے سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ظفر اور جوہر نے اپنے خیالات کو کس عمدگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

4.2 ظفرؔ کا تعارف 1775 - 1862ء

بہادر شاہ ظفر مغل سلطنت کے آخری تاجدار اور اردو کے ایک اچھے شاعر تھے، اکبر شاہ ثانی کے بیٹے اور شاہ عالم کے پوتے تھے، اکبر شاہ ثانی اور شاہ عالم دونوں نے اردوئے معلیٰ کے گیسو سنوارے تھے۔ ظفر نے اقلیم سخن کی فرمانروائی میں آنکھ کھولی، تحصیل علوم وفنون کے بعد مشق سخن کرنے لگے۔ پہلے میر عزت اللہ عشقؔ اور شاہ میر کو کلام دکھایا اس کے بعد استاد ذوقؔ کے شاگرد ہو گئے۔ ذوق کے بعد غالب کی شاگردی اختیار کی۔ اقتدار کے لحاظ سے دیکھا جائے تو برائے نام بادشاہ مانے جاتے تھے، اور لال قلعے میں شاہانہ سطوت کے ساتھ حکومت کرتے تھے، ہندوستان کی جنگ آزادی میں انہوں نے بہت رنج اٹھائے تھے، اور آخری دنوں میں رنگون کو جلاوطن کر دیئے گئے تھے اور وہیں بے بسی و بے کسی کے عالم میں فوت ہوئے۔

ظفر کو شاعری سے فطری لگاؤ تھا، اور لال قلعہ میں شعر و سخن کی محفلیں منعقد کیا کرتے تھے، ظفر کا کلام سوز و گداز درد واثر کا مجموعہ ہے، زبان کی لطافت اور پاکیزگی بیان کی صداقت وتاثیر ایک ایک

لفظ سے ظاہر ہوتی ہے، پورا کلام زبان کی صفائی اور روزمرہ کی خوبی میں آپ اپنی مثال ہے۔ انکا کلام حسرت و غم اور یاس و نامرادی کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشعار نہیں، بلکہ دل وجگر کے ٹکڑے ہیں جو آنسو بن کر آنکھ سے ٹپک رہے ہیں۔ ان سے یادگار تخلیقات میں ان کے چار دواوین ہیں۔

4.3 ظفر کی غزل ۱ (متن)

لگتا نہیں ہے جی مرا اجڑے دیار میں — کس کی بنی ہے عالمِ ناپائیدار میں
کہہ دو ان حسرتوں سے کہیں اور جا بسیں — اتنی جگہ کہاں ہے دل داغدار میں
اک شاخِ گل پہ بیٹھ کے بلبل ہے شادمان — کانٹے بچھا دیئے ہیں دل لالہ زار میں
عمر دراز مانگ کر لایا تھا چار دن — دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں
ہے کتنا بد نصیب ظفؔر دفن کے لئے — دو گز زمین بھی مل نہ سکی کوئے یار میں

4.3.1 ظفر کی غزل ۱ (تشریح)

۱۔ ظفر کہتے ہیں کہ میرا دل اجڑے دیار یعنی اس دنیا میں نہیں لگتا کیونکہ اس فانی دنیا یں کسی کی نہیں بنی ہے۔

۲۔ ہم اتنے صدمے اٹھا چکے ہیں اتنے مسائل سے دوچار ہو چکے ہیں کہ دل داغدار ہو چکا ہے، دل پر بے حساب داغ ہیں اور اب کوئی گنجائش نہیں لہٰذا حسرتوں سے کہہ دو کہ اب کہیں اور جائیں ظفر کے دل میں جگہ نہیں۔

۳۔ بلبل ایک شاخِ گل پر بیٹھ کر خوش ہے لیکن ہمارے دل میں کانٹے بچھا دیئے گئے ہیں، ہمارا دل بھی کبھی لالہ زار تھا۔

۴۔ شاعر کہتا ہے کہ زندگی چار دن کی ہوتی ہے، ہم نے بھی ایک طویل عمر جو چار دن کے برابر ہے مانگ کر لائے لیکن افسوس اس کا ہے کہ یہ طویل کہی جانے والی عمر آدھی آرزو میں کٹ گئی اور آدھی انتظار کرنے میں۔ یعنی چار دن کی زندگی، دو دن آرزو کرنے میں اور دو دن انتظار کرنے میں گذر گئے۔

۵۔ بہادر شاہ ظفر کا انتقال رنگون میں ہوا اور تدفین بھی وہیں عمل میں آئی، غالباً اس کا اندازہ ظفر کو غیر شعوری طور پر ہو چکا تھا، چنانچہ اس پس منظر میں یہ شعر بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ ظفر اس قدر بدنصیب ہے کہ اس (دہلی میں) (کوئے یار میں) دفن کے لئے دو گز زمین بھی نہیں ملی، (اور وہ رنگون میں دفن کئے گئے)

4.4 ظفر کی غزل ۲ (متن)

روشِ گل میں کہاں یار ہنسانے والے | ہم کو شبنم کی طرح سب ہیں رلانے والے
سوزشِ دل کو نہیں اشک بجھانے والے | بلکہ ہیں اور بھی یہ آگ لگانے والے
منہ پہ سب زردیِٔ رخسار کہہ دیتی ہے | کیا کریں راز محبت کے چھپانے والے
خاک بھی ہوگی ترے کوچے میں اپنی برباد | ہم تو مر کر بھی یہاں سے نہیں جانے والے
دیکھئے داغ جگر پر ہوں ہمارے کتنے | وہ تو اک گل ہیں نیا روز کھلانے والے
دل کو کرتے ہیں بتاں تھوڑے سے مطلب پہ خراب | اینٹ کے واسطے مسجدیں ہیں یہ ڈھانے والے
خاک میں ہم کو ملاتے ہیں وہ جوں نقشِ قدم | زیرِ پا جن کے ہم آنکھیں ہیں بچھانے والے

4.4.1 ظفر کی غزل ۲ (تشریح)

۱۔ ظفر کہتے ہیں کہ باغ میں ہنسنے ہنسانے والے اب نہیں رہے، اب جو لوگ بھی ہیں شبنم کی طرح ہم کو رلاتے ہیں۔

۲۔ دل کی جلن کو اپنے آنسوؤں سے بجھانے والے اب نہیں، یہاں تو لگی ہوئی آگ کو بھڑکانے والے ہیں۔

۳۔ محبت کا راز ایسا ہے کہ چھپایا نہیں جا سکتا، محبت اپنے کو ظاہر کر دیتی ہے، رخسار کی زردی چغلی کھاتی ہے کہ اس شخص نے محبت کی ہے۔

۴۔ شاعر کہتا ہے کہ ہم تو ہم ہماری خاک بھی محبوب کے کوچے میں برباد ہوگی، ہم مرنے کے بعد بھی

اس گلی سے جانے والے نہیں ہیں۔

۵۔ ہمارے جگر پر اب بے شمار داغ ہیں، ہم کہہ بھی نہیں سکتے کیونکہ ہمارا محبوب روز ایک گل کھلاتا ہے۔

۶۔ یہ وہ محبوب ہیں جو اپنے مطلب کے لئے ہمارا دل خراب کر دیتے ہیں۔ دل کو شاعر نے مسجد سے تشبیہہ دی ہے۔ گویا ایک اینٹ کے لئے لوگ مسجد کو ڈھا دیتے ہیں۔

۷۔ ہمارا رویہ یہ ہے کہ ہم ان کے پاؤں کے نیچے اپنی آنکھیں بچھا دیتے ہیں، یعنی ہم تو انکے سر راہ آنکھیں بچھائے ہیں، لیکن ان لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ ہم کو نقش قدم کی طرح مٹا دیتے ہیں۔ گویا ہمیں نیست کرنے پر اڑے ہیں۔

4.5 محمد علی جوہر کا تعارف : (1879 - 1931)

محمد علی کا آبائی وطن رام پور تھا، علیگڈھ اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ ہندوستان میں ریاست بڑودہ اور یوپی میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ ہندوستان کی آزادی کی تحریک اور خلافت تحریک کے سب سے زیادہ سرگرم کارکن تھے۔ زندگی کا اکثر حصہ جیل میں گذرا۔ انگریزی میں کامریڈ" اور اردو میں "ہمدرد" اخبار نکالتے تھے، ان اخبارات میں زبان و بیان نہایت شستہ وہ شائستہ استعمال ہوتی، جسے پڑھ کر بڑے بڑے افسراں سراہتے تھے،" کامریڈ" کلکتہ اور "ہمدرد" دہلی سے نکالتے تھے، ان اخبارات کا کارنامہ یہ تھا کہ اسلامی ممالک میں بیداری پھیلائے ، اور بین الاسلامی تحریک کو فروغ دے۔ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن گئے وہیں انتقال کیا، اور بیت المقدس میں تدفین عمل میں آئی۔

مولانا انگریزی کے بڑے کامیاب ادیب اور صحافی تھے، اردو نظم ونثر میں بھی کمال حاصل کیا ،اردو شاعری کا ذوق فطرت سے ملا تھا، جوہرؔ تخلص کرتے تھے، رامپور کی شاعرانہ فضا نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ ذوق شعر اور مشق سخن نے اچھا شاعر بنا دیا۔ جو انسان جذبات سے متاثر ہوکر، کلام

موزوں کرتا ہے، وہ حقیقی معنوں میں شعر ہوتا ہے، اور اس اعتبار سے محمد علی جوہر حقیقی شاعر تھے، آپ کی شاعری گل وبلبل اور حسن وعشق سے خالی لیکن عشق حقیقی دینی شوق قومی ہمدردی درد اور سوز وگداز سے لبریز ہے، قوم وملک کی حالت سے متاثر اور دین وایمان کے جذبات سے بے قرار ہوکر جوش وشوق کے عالم میں جو اشعار مولانا کے قلم سے نکلے تھے، وہی آج "دیوان جوہر" کی شکل میں موجود ہیں۔

4.6 محمد علی جوہر کی غزل ۱ (متن)

جان تو دے سکتے ہیں زینت نہ ہوں درباروں کی — کیا نہیں اتنی بھی اوقات وفاداروں کی
زخم دل کا انہیں بھولے سے بھی آیا نہ خیال — کون لیتا ہے دعا ایسے نمک خواروں کی
کہہ دو رضواں سے نہیں سایۂ طوبےٰ درکار — اپنی جنت ہے یہیں چھاؤں میں تلواروں کی
بوجھ میرا نہ اٹھائے کوئی محشر میں تو کیا! — دست گیر آپ جو رحمت ہے گراں باروں کی
ہے محمدؐ کی شفاعت تو خدا کی رحمت — حشر کیا! عید ہے امت کے گنہ گاروں کی
روز کچھ مرتے ہیں پھر بھی نہیں درماں کا خیال — حالت اچھی ہے ابھی آپ کے بیماروں کی
سرفروشاں جفا کش کے سروں کی قیمت — اور بھی بڑھ گئی قلت سے خریداروں کی
کر چکے پاؤں تو مہمانیٔ خار صحرا — سر بھی دعوت کرے اب شہر کی دیواروں کی
کہہ دو ان گوشہ نشینوں سے بھریں گوشۂ قبر — نہیں دنیا میں جگہ آپ سے بیکاروں کی
ایک ہی دو سہی، پر کچھ تو پہنچتیں دل تک — نوکیں رہ جاتی ہیں سب پاؤں میں کیوں خاروں کی
تودۂ خاک بھی اک قبر کو میرے ہے بہت — اس عمارت کو ضرورت نہیں معماروں کی
ساقیا آپ بھی ہے مئے بھی ہے اور تو بھی ہے مست — آج بر آئیں مرادیں ترے مئے خواروں کی
جب نہیں وعدہ کو ایفا سے زرا بھی سروکار — پھر کمی کیا ہے تمہارے لئے اقراروں کی
خود ہمیں میں ہو غم عشق کی جوہر نہ کمی! — ورنہ دنیا میں کمی کچھ نہیں غم خواروں کی

4.6.1 محمد علی جوہر کی غزل ۱ (تشریح)

۱۔ ہم دریاؤں کی زینت نہ ہوں لیکن جان تو دے سکتے ہیں ہماری اتنی اوقات اور حیثیت ہے۔

۲۔ محبوب کا عالم یہ ہے کہ وہ ہمارے دل کے زخموں کا (زخم اسی کے دیئے ہوئے ہیں) خیال ہی نہیں کرتا، سچ ہے ایسے نمک خواروں کی دعا کون لیتا ہے۔

۳۔ رضوان جنت کا دربان ہے، اس سے کہہ دو کہ ہمیں جنت کے درخت طوبیٰ کا سایہ درکار نہیں، تلوار کی چھاؤں ہی ہماری جنت ہے۔

۴۔ قیامت کے روز، میرا بوجھ کوئی نہ اٹھائے تو غم نہیں، ہم پر رحمت سایہ کرنے والی ہے اور کیا چاہیے۔

۵۔ محمد ﷺ کی شفاعت ہمارے لئے خدا کی رحمت ہے، روز قیامت ہمارے لئے عید کا دن ہوگا حضور اکرم ﷺ کی رحمت کی وجہ سے۔

۶۔ محبوب سے محبت کرنے والے ہر روز کچھ نہ کچھ مرتے ہیں لیکن علاج کا ان کو خیال نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک بیماروں کی حالت ابھی اچھی ہے۔

۷۔ سرفروشوں کی عزت کرنے اور ان کو خریدنے والے اب کم ہوتے جارہے ہیں، اس لئے خریداروں کی قلّت ہوتی جارہی ہے۔

۸۔ صحرا میں چلتے چلتے پاؤں چھلنی ہوگئے اور سر شہر کی دیواروں سے ٹکرا رہے ہیں۔

۹۔ گوشہ نشینوں اور چھپتے چھپاتے رہنے والوں سے کہہ دو کہ وہ اب مر جائیں اور قبریں بسائیں، کیونکہ بیکاروں کی اس دنیا میں جگہ نہیں۔

۱۰۔ پاؤں میں کانٹے چبھتے ہیں لیکن ان کی نوکیں وہیں ٹوٹ جاتی ہیں اگر ایک دو ہی سہی دل تک پہنچتے تو مزہ آتا۔

۱۱۔ شاعر کہتا ہے کہ مٹی کا ایک تودہ ہی میری قبر کے لئے کافی ہے، کیونکہ یہ عمارت یعنی قبر ایسی ہے کہ اس کو معماروں کی ضرورت نہیں پڑتی۔

۱۲۔ ساقی، آج کئی لوگ مست ہیں شراب پی لی ہے، گویا تیرے میخواروں کی دعائیں بر آئیں۔

۱۳۔ جب آپ وعدہ وفا کرنا ہی نہیں چاہتے تو کتنی مرتبہ اقرار کریں اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا
۱۴۔ اب لگتا ہے کہ خود ہم میں عشق کے غم کی کمی ہے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں غمخواروں کی کمی نہیں

4.7 محمد علی جوہرؔ کی غزل ۲ (متن)

دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد	ہے ابتداء ہماری تیری انتہا کے بعد
جینا وہ کیا کہ دل میں نہ ہو تیرے آرزو	باقی ہے موت ہی دل بے مدعا کے بعد
تجھ سے مقابلے کی کسے تاب ہے ولے	میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد
لذت ہنوز مائدہ عشق میں نہیں	آتا ہے لطف جرم تمنا سزا کے بعد
قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے	اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

4.7.1 محمد علی جوہر کی غزل ۲ (تشریح)

۱۔ مولانا محمد علی جوہر کی یہ بڑی مشہور اور مقبول غزل ہے وہ کہتے ہیں کہ قاتل ہم کو قتل کر کے سمجھ رہا ہے کہ ہمارا خاتمہ ہو گیا، لیکن ایسا نہیں ہے، قتل کے بعد ہمارا دورِ حیات شروع ہو گا، ہماری موت تیری انتہا سہی لیکن یہ ہماری ابتداء ہے۔

۲۔ اگر دل میں کسی کی محبت اور آرزو نہ رہے تو وہ دل، دل ہی کیا، بغیر مدعا کے دل موت کی طرح ہے

۳۔ تیرے سے کون مقابلہ کر سکتا ہے، لیکن تیری مہندی کا کہیں جواب ہے تو ہمارا لہو ہے۔

۴۔ اب عشق کے دستر خوان پر کوئی مزہ نہیں کیونکہ تمناؤں کا جرم کرنے کے بعد سزا کا لطف آتا ہے۔

۵۔ یہ بڑا مشہور شعر ہے، مولانا محمد علی جوہر کہتے ہیں کہ آپ سمجھتے ہیں حسین قتل ہوئے ہیں جب کہ ایسا نہیں ہے، قتل حسینؑ تو دراصل یزید کی موت ہے جس طرح کربلا کے سانحہ کے بعد اسلام مائل بہ عروج ہوا، ہر کربلا کے بعد یہی ہو گا۔

اپنی معلومات کی جانچ اور نمونہ جوابات:

سوال ا: بہادر شاہ ظفر کے حالات زندگی پر روشنی ڈالئے۔

سوال ۲: مولانا محمد علی جوہر کی غزل سے کوئی پانچ اشعار کے معنی لکھئے:

جواب: 4.2 اور 4.6.1 میں دیکھئے:

4.8 خلاصہ:

اس اکائی میں ہم نے آپ کو بہادر شاہ ظفر کی دو غزلیں اور مولانا محمد علی جوہر کی دو غزلیں اور ان کی تشریح سے واقف کرایا ہے، نیز شعرا کا تعارف بھی، اغراض و مقاصد اور تمہید کے تحت آپ نے اس اکائی کے خاکے کے سلسلہ میں معلومات حاصل کیں۔ آپ کے علم میں آچکا ہے کہ ان غزلوں سے ظفر اور جوہر کے میلانات شعری کیا ہیں، اس اکائی سے قبل کی اکائیوں میں آپ نے مختلف نظموں اور غزلوں کا مطالعہ کیا، یہ اکائی بھی اسی نوعیت کی ہے، اس کے علاوہ اس اکائی میں آپ نے اپنی معلومات کی جانچ بھی کی ہے، آخر میں نمونہ امتحانی سوالات بھی دیئے گئے، فرہنگ کے تحت نئے الفاظ کے معنی بھی، اور سفارشی کتب کا حوالہ بھی دیا گیا ہے، توقع ہے آپ ان سب سے استفادہ کریں گے۔

4.9 نمونہ امتحانی سوالات:

ا۔ ظفر کی غزلوں سے ان کے مزاج پر کیا روشنی پڑتی ہے۔

۲۔ ظفر کی غزلوں کے بارے میں اظہار خیال کیجئے۔

۳۔ محمد علی جوہر کے کوئی دو مشہور شعر لکھئے اور ان کا مطلب بیان کیجئے۔

۴۔ محمد علی جوہر کا تعارف پیش کیجئے:

۵۔ ظفر کی حیات پر روشنی ڈالئے:

4.10 فرہنگ :

الفاظ	معنی	لفظ	معنی
دیار	شہر، علاقہ، ملک	ناپائدار	کمزور
داغدار	داغ رکھنے والا	شادماں	خوش
دراز	لمبی، طویل	یار	دوست، محبوب
سوزش	جلن	زردی	پیلا پن
زینت	سجاوٹ	رضواں	جنت کا دربان
محشر	قیامت	دست گیر	مددگار
ایفا	وفا کرنا، پورا کرنا	قضا	موت
تاب	ہمت، طاقت	و لے	لیکن
مرگ	موت	مدعا	مقصد، مطلب

4.11 [illegible]

۱۔ شہزاد ندیم — محمد علی جوہؔر

۲۔ کلیات — بہادر شاہ ظفؔر

۳۔ دیوان جوہر — محمد علی جوہؔر

۴۔ تعارف تاریخ ادب اردو — شجاعت علی سندیلوی

۵۔ تاریخ ادب اردو — ڈاکٹر نور الحسن نقوی

از : ڈاکٹر رفعت النساء بیگم،

پروفیسر، شعبہ اردو، میسور یونیورسٹی، میسور

NOTES